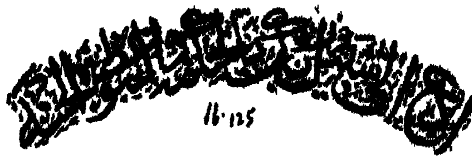


ترجمہ

تشریح و محاکمہ

در

تاریخ آلِ محمدؐ

مولفہ

آقائے بہلول بہجت — تاریخ ۱۳۴۰ ... ۱۳ - 1921

مترجم فارسی

آقائے میرزا مہدی ادیب

1945 ناشر سید محمود ...

مترجم اردو

1951 ۱۳۷۱ھ

سید عباس حسین

قیمت فی جلد — سوا روپیہ

مطبوعہ مطبع ...

1951

انتساب

مصنفین کسی بڑی ہستی کی تلاش کرتے ہیں تاکہ اپنی تصنیف کو اوس ہستی سے منتسب کریں لیکن میں اس کیخلاف اپنی اس کتاب کو ایک ایسے اجماع کثیف اور دین میں رخنہ ڈالنے والی جماعت کو ہدیہ کرنا چاہتا ہوں کہ بدبختی سے جسکی ایک حقیر فرد میں بھی ہوں۔ فقط

مترجم

تشکّر و امتنان

جب نواب شہید یار جنگ بہادر سفر عراق سے واپس ہوتے ہیں تو میرے لیے بہترین تحفہ یعنی کتابیں ضرور لاتے ہیں جن کا میں بے حد شکر گزار ہوں چنانچہ اس مرتبہ سفر کی واپسی کے بعد چند کتابیں حسب عادت مجھے مرحمت فرمائیں جن میں یہ کتاب "تاریخ آل محمد" بھی ہے اس کتاب کو پڑھکر دل بہت بے چین ہو گیا کہ کسی طرح اس کا ترجمہ ہو جائے اور سب مسلمان اس سے مستفیض و مستفید ہوں لیکن اپنی دو نوں معنی میں "بے بضاعتی" مانع تھی یعنی نہ تو اپنی علمی قابلیت پر بھروسہ اور نہ مالی امداد کی توقع۔ اس چھپن سالہ عمر میں یہ پہلا ترجمہ ہے البتہ نیت خالص تھی اپنے خدا پر بھروسہ کرکے ترجمہ شروع کیا اُسی نے چند ارباب خیر پیدا کر دیئے جنکی مالی مدد نے مجھے مطمئن کر دیا اور میرے محترم جناب مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ اجلال کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی نظر ثانی فرما کر اغلاط کی اصلاح فرمادی۔ باوجود اس کے میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ "یہ کتاب ہر غلطی سے مبرّیٰ ہے" اور کیسے کہوں جبکہ خدا کی کتاب بھی سہو کتابت کی غلطیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی تو انسانی کتاب کی کیا حقیقت البتہ جو حوالے اور اسناد دیئے گئے ہیں انکی صحت کا میں ذمہ دار ہوں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ میں نے کسی مالی فائدہ کی نیت سے اس کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ محض مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق مطلوب ہے، لہذا جو صاحب جس زبان میں چاہیں اس کا ترجمہ کریں اور میرا یہ ترجمہ جسقدر چاہیں طبع کرائیں۔ البتہ صرف ایک شرط یہ ہے کہ میرے اس ترجمہ میں کسی قسم کی اصلاح کی زحمت گوارا نہ فرمائیں کیونکہ اسکی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی۔ ہاں اگر اپنی قابلیت کے اظہار کی ضرورت سمجھتے ہوں تو "فٹ نوٹ" لکھ سکتے ہیں۔ فقط

اگر خدا نے توفیق دی اور زندہ رہا تو انشاءاللہ اس کے بعد ایک ترجمہ اور پیش کروں گا اور اگر خدا کو منظور ہے تو تراجم کا یہ سلسلہ اپنی زندگی بھر جاری رکھونگا۔

مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال عز من قائل " قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا "

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا و نبینا محمد و اہلبیتہ الذی اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا

حکیم علی الاطلاق خدائے قادر و توانا نے انسان کو پیدا کرنے سے قبل ہر وہ شئے جو اُسکی زندگی و بقا کیلئے ضروری تھی پیدا کرکے انسان کو وجدان و حواس اور عقل کی ہدایت کیساتھ اس دنیا میں بھیجا تاکہ ان ہدایات سہ گانہ کی مدد سے ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے جو خدا نے اُسی کیلئے مہیا فرما دیئے ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ کائنات کی مخلوق علت و معلول کے دامن سے بندھی ہوئی ہے (حدیث قدسی) عبدی خلقت الاشیاء لاجلک و خلقتک لاجلی"۔ میرے بندے تمام اشیاء میں نے تیرے لئے پیدا کئے اور تجھے اپنے لئے یعنی پیدائش کائنات کی [illegible] انسان اور انسان کی پیدائش کی علت غائی خدا کی معرفت اور عبادت ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ ان ہدایات سہ گانہ سے غلطی ہوتی ہے اور خدا کی معرفت بدرجہ کمال [illegible] ایسی ہدایت کی ضرورت ہے جسمیں غلطی کا شائبہ نہ ہو۔ چنانچہ خدا نے اپنے بندوں کے لئے چوتھی ہدایت [illegible] ہم "وحی و نبوت" کی ہدایت کہتے ہیں۔ تاکہ ہدایت عقل کی درماندگی کی صورت میں اس چوتھی ہدایت [illegible] معرفت پر گامزن ہوں۔

ماننا پڑیگا کہ "وحی و نبوت" کی ہدایت ہر طرح کامل ہونا چاہیئے اگر اسمیں بھی غلطی کا امکان بقدر نقص [illegible] ہو تو بندوں کی حجت خدا پر باقی رہ جائے گی۔ درآنحالیکہ خدا کی ذات ہر نقص سے بری ہے۔

اس چوتھی ہدایت کا اعلان " انی جاعل فی الارض خلیفه" سے ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلا [illegible] جس نے زمین پر قدم رکھا وہ "خلیفة اللہ" حضرت آدمؑ تھے اور اُس حکیم علی الاطلاق کے اس فعل سے یہ بھی ثابت ہے [illegible] ابتداء خلقت انسان سے قیامت تک ایک "خلیفة اللہ" کا وجود رہنا چاہیئے تاکہ انسان ایک [illegible] ہدایت سے محروم نہ رہے۔ پیغمبر اکرم کی حدیث صحیح و متفق علیہ "من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة" سے اسکی تائید ہو رہی ہے یعنی اگر کوئی انسان بغیر "خلیفة اللہ" کی معرفت کے مر گیا تو [illegible]

جب حضرت عبداللہ ابن عمرؓ "حجاج ابن یوسف ثقفی" کے پاس اس غرض سے تشریف لے گئے کہ اُس کے ہاتھ پر "عبدالملک ابن مروان" کی بیعت کریں تو اُس نے کہلا بھیجا کہ "اس وقت مجھے فرصت نہیں ہے"۔ آپ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: "اگر بیعت سے قبل آج شام کو مر جاؤں تو میری موت کفر کی موت ہوگی"۔ حجاج نے اجازت دی اور آپ نے اس کے ہاتھ پر عبدالملک ابن مروان کی بیعت کر لی۔ حدیث کی صحت سے کسی مسلم کو انکار نہیں ہے لیکن تعین "خلیفۃ اللہ" میں عبداللہ ابن عمر سے تسامح ضرور ہوا۔ ملاحظہ ہو حدیث ذیل۔

"متن حدیث بجذف سلسلہ روات"۔ عن سعید ابن جبیر قال خرج علینا عبداللہ ابن عمر فرجونا ان یحدثنا حسنا قال فبادرنا الیہ رجل فقال یا ابا عبدالرحمٰن حدثنا عن القتال فی الفتنہ واللہ یقول وقاتلوھم حتی لایکون فتنہ فقال ھل تدری ما الفتنہ ثکلتک امک انما کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقاتل المشرکین وکان الدخول فی دینھم فتنہ ولیس کقتالکم علی الملک (ترجمہ) سعید ابن جبیر نے کہا ایک دن عبداللہ ابن عمر ہم لوگوں پر برآمد ہوئے ہم کو امید ہوئی کہ وہ کوئی اچھی حدیث بیان کریں گے اتنے میں ایک شخص نے (حکیم) اُن سے جلدی کر کے پوچھا ابوعبدالرحمٰن فتنے میں لڑنا کیسا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُن سے لڑو تا کہ فتنہ نہ رہے (تو فتنہ میں لڑنا بہتر ہے) انھوں نے کہا ارے تو جانتا ہے فتنہ کس کو کہتے ہیں (خدا کرے تو مرے) تیری ماں تجھکو روئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتنہ رفع کرنے کے لئے مشرکوں سے لڑتے تھے۔ شرک میں پڑنا یہ فتنہ ہے کیا فتنہ کی لڑائیاں تم لوگوں کی طرح بادشاہت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ تیسیر الباری مطلب خیز ترجمہ صحیح بخاری پارہ (۲۹) صفحہ (۱۸)

مولوی وحیدالزماں خاں صاحب المخاطب بہ "نواب وقار نواز جنگ" نے اس حدیث کی شرح حسب ذیل عبارت میں فرمائی ہے۔ ف۳۔ عبداللہ ابن عمر کا یہ مذہب تھا کہ جب مسلمانوں میں آپس میں فتنہ ہو تو لڑنا درست نہیں۔ دونوں طرف والوں سے الگ رہ کر خاموش گھر میں بیٹھنا چاہیئے اور اسی لئے عبداللہ ابن عمر نہ معاویہ کے شریک ہوئے نہ حضرت علیؓ کے۔ اُس شخص نے گویا عبداللہ ابن عمر کا رد کیا کہ اللہ تعالیٰ تو فتنہ رفع کرنے کا حکم دیتا ہے اور تم فتنہ میں لڑنا منع کرتے ہو۔ ف۔ اس آیت "وقاتلوھم حتی لاتکون فتنہ" میں فتنہ سے مراد شرک ہے یعنی مشرکوں سے لڑو اسلئے کہ دنیا میں شرک باقی نہ رہے اللہ کی توحید پھیل جائے آنحضرتؐ کی کل لڑائیاں اسی غرض سے تھیں نہ دنیا کی دولت

اور حکومت حاصل کرنے کے لئے اور اب تو لڑائی اسی لئے کی جاتی ہے وہ چاہتا ہے میں بادشاہ بنوں۔ میں سب سے بڑھ چڑھ کر رہوں وہ چاہتا ہے میں بادشاہ ہو جاؤں۔ مروان۔ عبدالملک ابن مروان اور عبداللہ ابن زبیر کی لڑائیاں اسی نیت سے تھیں اسی لئے عبداللہ ابن عمر اُن میں سے کسی کی طرف شریک نہیں ہوئے اور حضرت علیؓ تو خلیفہ برحق تھے اور معاویہ والے باغی تھے۔ مگر عبداللہ ابن عمر حضرت علیؓ کے لشکر میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ انہوں نے لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے ابھی تک حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی۔ وہ اس انتظار میں تھے دیکھیں آئندہ معاملات کی صورت کیا پیدا ہوتی ہے۔ اگر حضرت علیؓ پر سب کا اتفاق ہو گیا تو انہی سے بیعت کر لیں گے۔ عبداللہ ابن عمر کا یہ خاص خیال تھا کہ جب تک لوگوں کا اتفاق کسی پر نہ ہو جائے وہ خلافت صحیح نہیں ہے مگر تعجب یہ ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے اختلاف کی وجہ سے حضرت علیؓ کی بیعت کرنے میں تامل کیا لیکن یزید سے کیونکر بیعت کر لی۔ حالانکہ اہل مدینہ اور اہل مکہ میں بہت سے اصحاب و اہل بیت اُسکی بیعت کے خلاف میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر نے یزید سے اس وقت بیعت کر لی تھی جب پہلے اہل مدینہ نے یزید کی خلافت منظور کر کے اُس سے بیعت کر لی تھی۔ پھر اس کے برے اطوار دیکھ کر اہل مدینہ نے اُسکی بیعت توڑ دی اُس پر یزید نے مسلم ابن عقبہ کو لشکر دیکر مدینہ والوں کے قتل کے لئے بھیجا عبداللہ ابن عمر بچ رہے۔ کیونکہ انھوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی اور عبدالملک ابن مروان سے عبداللہ ابن عمر نے اُس وقت بیعت کی جب وہ عبداللہ ابن زبیر پر غالب ہو گیا اور عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے اور سب جگہ مسلمانوں نے عبدالملک کی حکومت تسلیم کر لی ورنہ عبداللہ ابن عمر کی نیت تھی کہ اگر عبداللہ ابن زبیر غالب ہو جائیں اور عبدالملک مغلوب تو عبداللہ ابن زبیر ہی سے بیعت کر لیں۔ صفحہ (۱۲۳)

مولوی صاحب کی اس طویل شرح کو پڑھ کر ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی یہی نتیجہ نکالے گا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر خلافت الٰہیہ کے معیار سے واقف نہ تھے۔ دوسرے یہ کہ اُن کو حق و باطل سے کچھ مطلب ہی نہ تھا بلکہ ہر فاتح کو مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب کے اس جملے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "ورنہ عبداللہ بن عمر کی نیت تھی کہ اگر عبداللہ ابن زبیر غالب ہو جائیں اور عبدالملک مغلوب تو عبداللہ ابن زبیر سے بیعت کر لیں" اگر معیار خلافت الٰہیہ پیش نظر ہوتا تو ہرگز یہ نوبت ہی نہ آتی۔ اب میں قارئین کرام سے معافی چاہتے ہوئے چند سوالات پیش کرتا ہوں

۱۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر کی نظر میں حضرت ابوبکر کی بیعت کا واقعہ نہ تھا کہ باوجود ایسے اختلاف کے آپ کے والد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔

۲۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے اپنے والد بزرگوار کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا تھا کہ "کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرھا" یعنی ابوبکر کی بیعت ایک "فلتہ" تھی جس کے شر سے خدا نے ہم کو بچایا۔ (مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے "انوار اللغۃ" جلد (۲۰) ردیف (ف) میں "فلتہ" کے معنی اس طرح لکھا ہے کہ "حضرت ابوبکر کی خلافت چھینی جھپٹی تھی اکثر اصحاب کبار سقیفہ میں موجود نہ تھے اور بنی ہاشم سے تو کوئی تھا ہی نہیں"۔

۳۔ کیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے رسول اللہ کے یہ احادیث نہیں سنی تھے "علی مع الحق والحق مع علی"۔ "علی مع القرآن والقرآن مع علی"۔ "من سب علیا فقد سبنی"

۴ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے عمار یاسر کے متعلق رسول اللہ کی یہ حدیث نہیں سنی تھی کہ "یدور الحق مع عمار حیث دار"۔ کیا عمار یاسر جنگ صفین میں امیرالمومنین علی علیہ السلام کے طرفداروں میں نہ تھے اور معاویہ کے ساتھیوں نے انہیں شہید نہیں کیا

۵۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے رسول اللہ کی یہ حدیث نہیں سنی تھی کہ "الحسن والحسین سیدی شباب اھل جنۃ" کیا معاویہ نے حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر سے اور یزید نے حسین علیہ السلام کو تلوار سے شہید نہیں کیا۔

۶۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر کو اس کا علم نہ تھا کہ معاویہ نے صحابی رسول "حجر ابن دی" کو مع ان کے چھ ہمراہیوں کے شہید کر دیا جس کے متعلق ام المسلمین حضرت عائشہ نے معاویہ سے پوچھا تھا کہ "الست قاتل حجر ابن عدی اخا کندہ"۔

۷۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر یہ نہیں سمجھ رہے تھے کہ حضرت علیؑ حق پر ہیں اور معاویہ والے باغی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر خاموش گھر میں بیٹھے رہیں اور حق پامال ہو جائے تو کیا گھر میں خاموش بیٹھے رہنے والے مسلمان خدا اور رسول کے مسئول نہ ہونگے

۸۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے آیت مباہلہ نہیں پڑھی تھی اور آپکو معلوم نہ تھا کہ "حسنین علیہم السلام" فرزندان رسول ہیں

۹۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ حدیث نہیں سنی تھی "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر" (ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کو گالی دینے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور مسلمان سے لڑنا کفر ہے (تیسیر الباری۔ پارہ (۱)، صفحہ (۶۱)

۱۰۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے قرآن کی یہ آیتیں نہیں پڑھی تھیں "من قتل مومنا متعمدا فجزائہ جھنم" کیا

حسنینؑ فرزندان رسول مومن نہ تھے ۔ کیا حجر ابن عدی کے ایمان میں کچھ شک تھا

۱۱۔ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر نے نہیں سنا تھا اور ان کو علم نہ تھا کہ خود معاویہ نے منبر پر علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب وشتم کیا ۔ اور اپنے تمام ممالک میں اعلان کر دیا کہ خطبہ جمعہ وعیدین اور قنوت نماز میں علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب وشتم کرتے رہیں چنانچہ سوائے عمر ابن عبدالعزیز کی دو سالہ پانچ ماہ عہد خلافت کے آخر خلیفہ بنی امیہ "مروان حمار" تک علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب وشتم ہوتا رہا ۔

۱۲۔ جبکہ حضرت عبداللہ ابن عمر یہ جان رہے تھے کہ عبدالملک ابن مروان اور عبداللہ ابن زبیر کی لڑائیاں دنیا کی بادشاہت اور حکومت کے لئے تھیں (بقول مولوی صاحب کے) تو اسکو خلافت سے کیا تعلق تھا جو آپنے عبدالملک ابن مروان کی فتح کے بعد اُسکی بیعت کر لی ۔

"قلم اینجا رسید و سر بشکست" ۔ اگر میں ان والات کو جاری رکھوں تو ایک دفتر درکار ہوگا ۔ ارباب نظر ان چند سوالات کو ملحوظ رکھکر واقعات پر غور فرمائیں تو حقیقت بالکل واضح اور آشکار ہو جائیگی

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ "علم مناظرہ" اشرف علوم سے ہے اسی کی مدد سے حق و باطل میں فرق کرکے ہر شخص حق کا پیرو بن سکتا ہے ۔ لیکن ہم نے اپنی جہالت سے اسکو ارذل علوم بنا دیا ۔ اس اعتبار سے میں حلفاً کہتا ہوں کہ مجھے ہرگز مناظرہ منظور نہیں ہے بلکہ سخت نفرت ہے ۔ اور میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ محض اصلاح بین المسلمین کے لئے یہ زحمت گوارا کر رہا ہوں اگر اس کے صلہ میں مجھے قتل بھی کر دیا جائے تو میں سمجھونگا کہ میری سعی مشکور ہوئی ۔

خلافت الٰہیہ

زبان عرب میں "خلف" کہتے ہیں "پیچھے" کو ۔ جیسے "صلیت خلف زید" میں نے زید کے پیچھے نماز پڑھی قرآن مجید میں لفظ "خلف" اور اس کے مشتقات مختلف معانی میں مختلف مقامات پر آئے ہیں ۔ مثلاً "اِنّی جاعل فی الارض خلیفۃ" میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ۔ یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض "اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے ۔" وخلف من بعدھم خلف ان کے بعد اور لوگ ان کی جگہ پر آئے ۔ "واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح" اس وقت کو یاد کیا کرو جبکہ نوحؑ

[illegible] تمھیں پیدا کیا [illegible] کی امت کی جگہ بسایا۔" وجعلنا کم خلائف فی الارض (اے سکان الارض) یخلف بعضکم بعضا [illegible] ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا۔" یعنی یکے بعد دیگرے رہنے بسنے والا)" وجعلنا کم خلائف واغرقنا الذین کذبوا"۔ اور ہم نے تمھیں زمین میں رہنے والا بنایا اور جھوٹوں کو غرق کردیا۔" (اے ہارون) اخلفنی فی قومی واصلح" میری قوم [illegible] جانشین اور قائم مقام رہو [illegible] اُن کی اصلاح کرو۔ وغیرہ خلیفہ کے لغوی معنی ہیں [illegible] خدا کا کام انجام دینے والا [illegible] معانی مذکورہ میں [illegible] (اسکی توضیح موجب طوالت ہوگی [illegible] غور فرمالیں [illegible] صفات کا [illegible] وہ اُس کا خلیفہ نہیں کہلا سکتا چنانچہ خدانے [illegible] حضرت آدم کیلئے ارشاد ہے [illegible] علم آدم الاسماء کلھا" "حضرت عیسیٰ [illegible] آتانی الکتاب وجعلنی نبیا" پہلے کتاب [illegible] اور بعد خلافت جناب طالوت کے متعلق اس وقت کے نبی [illegible] ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم" خدا نے جناب طالوت [illegible] منتخب خدا کے دیئے ہوئے ہیں کوئی چھین نہیں سکتا اور یہی معیار خلافت الٰہیہ ہے [illegible] انی جاعل فی الارض خلیفہ" یا "انی جاعلک للناس اماما" یا [illegible] خدا ہی بنی۔ رسول اور [illegible] "خلافت الٰہیہ" ہے اور یہ [illegible] اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ [illegible]

[illegible] وجعلنا ھم آئمۃ یدعون الی النار" میں بھی "جعل" کی نسبت [illegible]

[illegible] مولوی ظفر [illegible] اسلام [illegible] جیسے اسمان [illegible] ستارہ [illegible] ہے۔ اسلام اور ایمان [illegible] دائرہ میں محدود ہے۔ [illegible] دائرہ سے ایک قدم بھی باہر ہو تو ایمان

رخصت ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہمارا دین مطلقاً نص ہے تو اس کا اجرا قیامت تک باقی رہے گا ... کا انحصار قرآن پر ہے۔ چونکہ قرآن قیامت تک باقی رہیگا لہذا علم قرآن کا ... اسی اس کے ساتھ رہنا ... اگر علم ہو اور اس کا جاننے والا عالم نہ ہو تو ایسا علم بیکار رہوگا۔ اسی لئے ... "انی تارک ... الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی" یعنی علم اور ... [illegible] جا رہا ہوں مگر ہم نے قرآن فہمی کیلئے مفسرین کا دامن تھاما۔

تفاسیر۔ اسلام میں تفاسیر بکثرت موجود ہیں لیکن جسقدر ... [illegible] ... اور ... اسکی ظاہر ہے یعنی ... [illegible] ... لگا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے ... [illegible] ... کرنے لگا ... [illegible] ... فرماتا ہے "لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" یعنی غیر خدا کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے) ... [illegible] ... کون فیصلہ کرے ... [illegible]

احادیث ... [illegible] ... الکذابون ... [illegible] ... ہوتی ہے آگاہ ہو کہ ... [illegible] ... میں تو ہزاروں سے زیادہ جھوٹی حدیثیں ہیں۔ ... [illegible] ... حدیث میں فرق ... ملاحظہ ہو ... کتاب "لؤلؤ ... [illegible] ... ہے۔

عام طور پر مسلمانوں کا خیال یہ ہے ... [illegible] ... اور ضرور ہے لیکن موجودہ نفاق و شقاق و عداوت اور دشمنی کا باعث ... [illegible]

وعلل کچھ اور ہی ہیں جن کو اس مسئلہ خلافت سے ذرہ کا بھی واسطہ نہیں ہے ۔ اگر ہم ان اسباب پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے ان کو دور کر دیں تو یقیناً ہم میں موجودہ نفاق ہرگز ہرگز باقی نہ رہیگا ۔ اور انہی اسباب کو دور کرنے کے لئے "قاضی بہلول بہجت نے یہ کتاب" "تاریخ آل محمدؐ" لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ یہ حقیر پیش کر رہا ہے ۔

خلافت راشدہ

دنیا کا کوئی مسلمان اس تاریخی واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا کہ پیغمبر اکرم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر باجماع ثقیفہ خلیفہ بن گئے اور حضرت ابوبکر کے تحریری وصیت نامہ کی بناء پر حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور حضرت عمر نے چھ ۶ اصحاب کی ایک کمیٹی بنا دی ۔ حضرت عثمان کے بہنوئی عبدالرحمٰن ابن عوف کو اس کا صدر بنا کر ان کو دو آراؤں کا مالک کیا ۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ابن عوف نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنا دیا ۔ لیکن اس خلافت کو "خلافت الٰہیہ" سے کیا تعلق ہے اسلئے کہ کسی ایک میں معیار خلافت الٰہیہ یعنی علم قدرت کا وجود ہی نہ تھا ۔ ملاحظہ ہو واقعات ذیل ۔

عن الزہری قال جاء الی ابی بکر جدۃ ام اب او ام ام فقالت ان ابن ابنی او ابن ابنتی توفی وبلغنی ان لی نصیبا فمالی فقال ابوبکر ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا شیئا وساسال الناس فلما صلی الظہر فقال ایکم سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الجدۃ شیئا قال مغیرہ بن شعبہ انا قال ماذا قال اعطاہا رسول اللہ سدسا قال ایعلم ذلک احد غیرک فقال محمد بن مسلمہ صدق فاعطاہا ابوبکر السدس فجاءت الی عمر مثلہا فقال ما ادری ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا شیئا وساسال الناس فحدثوہ بحدیث المغیرۃ بن شعبۃ ومحمد بن مسلمۃ فقال عمر انکما خلت بہ فلہما السدس فان اجتمعتا فہو منکما رواہ مالک والدارمی

ترجمہ (زہری سے روایت ہے) بعد میراث جدہ میں جھگڑا پڑا اور اختلاف ہوا ۔ حضرت صدیق نے بہت کچھ تلاش کی کہ مسئلہ حل ہو جائے یہانتک کہ حدیث ظاہر ہوئی اور مسئلہ طے پا گیا (بہر حال جو جناب ابوبکر کو اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا) زہری راوی ہے کہ ابوبکر کے پاس جدہ آئی دادی رہی ہو یا نانی اور آکر اس نے کہا کہ میرا نواسا یا پوتا مر گیا ہے اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ میرا حصہ اسکی میراث میں ہے تو میرا

حصہ کیا ہے۔ آپ بتائیے؟ حضرت ابوبکر نے کہا میں نے اس مسئلہ میں تو کوئی بات رسولؐ کے منہ سے نہیں سنی اور نہ مجھے معلوم ہے کہ رسولؐ نے اس بارہ میں کچھ فرمایا ہے۔ اچھا! میں لوگوں سے پوچھوں گا تب بتاؤں گا۔ چنانچہ جب آپ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ بھائیو! "جدہ" کے متعلق رسول اللہ کو کچھ فرماتے ہوئے تم لوگوں نے سنا ہے آخر اسکی میراث کا حصہ کیا ہے سنا ہو تو بتاؤ مغیرہ بن شعبہ نے کہا ہاں سنا ہے اور وہ یہ کہ جدہ کو "سدس" چھٹا حصہ رسول اللہ دلواتے تھے۔ ابوبکر نے کہا تمہارے سوا کوئی اور بھی جانتا ہے۔ محمد بن مسلمہ نے مغیرہ کے قول کی تائید کی چنانچہ ابوبکر نے اس عورت کو سدس دیدیا۔ اسی طرح کا مسئلہ حضرت عمر کے پاس بھی آیا' آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں۔ نہ میں نے رسولؐ کے منہ سے اس مسئلہ کے متعلق کچھ سنا البتہ میں لوگوں سے پوچھوں گا جب آپ نے لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ کے اس واقعہ کا تذکرہ کیا جو عہد اول میں گزرا تھا۔ تب عمر نے اس عورت سے کہا کہ اگر صرف دادی یا نانی ہوگی تو سدس پائے گی اور اگر دونوں ہونگی تو یہی سدس دونوں میں بٹ جائے گا۔

حضرت عمر کے متعدد اعلانات سے صرف چند فقرات ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں

۱۔ لولا علی لھلک عمر "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ یہ جملہ اس قدر مشہور ہے کہ کتب درسیہ میں بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ "لولاک لافتضحنا"۔ اے علیؑ اگر آپ نہ ہوتے تو ہماری بڑی فضیحتی ہوتی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "ربیع الابرار علامہ زمخشری"

۳۔ اگر علیؑ مسجد میں نہ ہوں تو کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔ ملاحظہ ہو "شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ جلد اول صفحہ ۶ مطبوعہ مصر

۴۔ ایک عورت کے جواب میں آپ نے منبر پر ارشاد فرمایا "کل الناس افقہ من عمر حتی ربات الحجال" ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہہ ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں۔ ملاحظہ ہو "کنز العمال"

ان اعترافات سے عدل فاروقی پر کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ خلافت الٰہیہ کے مدعی نہ تھے۔

۳۔ حضرت عثمان۔ ابوعثمان جاحظ کہتے ہیں کہ "صعد عثمان ابن عفان المنبر فارتج علیہ فقال

ان ابابکر و عمر کانا بعد ان لہذا المقام مقالا و انتم الی امام عادل احوج منکم الی امام خطیب"۔

(ترجمہ) ایک دفعہ عثمان ابن عفان منبر پر گئے تو کچھ نہ کہہ سکے۔ (صرف یہ کہکر اتر آئے) کہ لوگو ابوبکر اور عمر پہلے سے خطبہ پڑھنے کیلئے تیار ہو کر آتے تھے اور اب میری نظر میں تمھاری احتیاج امام عادل کی طرف زیادہ ہے بہ نسبت امام خطیب کے ملاحظہ ہو البیان والتبیین۔ جلد (۲) صفحہ (۱۲۹)۔ طبع مصر۔ اس سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عثمان، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو امام عادل نہیں سمجھتے تھے۔

۴۔ علی ابن ابیطالب۔ آپ کے علم و فضل پر " ومن عندہ علم الکتاب کی نص قرآنی اور " انا مدینۃ العلم و علی بابھا " کی ایسی مہر تصدیق لگی ہوئی ہے کہ کسی مزید شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔ اس معیار کی بناء پر علیؑ کی خلافت الٰہیہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یہ خلافت علیؑ سے کسی نے چھینی اور نہ چھین سکتا تھا۔

برادران اہلسنت والجماعت کو آئمہ اہلبیت یعنی امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہم السلام اور ان کے گیارہ فرزند امام حسنؑ مجتبیٰ سے حضرت محمد ابن حسن (امام مھدی) علیہم السلام تک (۱۲) اماموں کا اقرار ہے۔ ان کے فضائل و مناقب سے کتب علماء اہلسنت بھرے ہوئے ہیں اور بحکم " قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ " ان کی محبت و مودت فرض عین جانتے ہیں ان تمام واقعات کے بعد یہ سمجھنا کہ " مسئلہ خلافت " سنی اور شیعہ میں نفاق و شقاق و دشمنی و عداوت کا باعث بنا ہوا ہے کسقدر غلطی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یہ وجہ نہیں ہے تو پھر وہ اسباب کیا ہیں۔

مقصود اصلی

واقعہ یہ ہے کہ برادران اہلسنت کو معاویہ کی بدعنوانیوں سے کسی طرح انکار ہو نہیں سکتا لیکن صحابیت۔ کاتب وحی۔ ور خال المومنین کی خوش اعتقادی نے ان بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے مجبور کیا یہانتک کہ " خطائے اجتہادی " کی سپر سے رو کنے کی کوشش کی گئی۔ برادران اسلام خدا نے جن کو عقل دی ہے اور کتب فریقین کا مطالعہ کر سکتے ہیں ان کا فرض ہے کہ مذہب جیسی عزیز شئے کو سمجھیں۔ خصوصاً قرآن جیسی کتاب جس پر اسلام و ایمان کا انحصار ہے غور کریں۔ خدا فرما رہا ہے کہ " ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم " ہمارے پاس نسبت کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ

ہے عمل ہے۔ پیغمبر اولوالعزم حضرت نوحؑ کو ارشاد ہوا "لیس من اھلك" تمھارا بیٹا تمہاری اہل سے نہیں ہے اسلئے کہ "فانہ عمل غیر صالح" اُس نے بدعملی کی۔ جبکہ بدعملی کی وجہ سے ایک ناقابل انقطاع رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو صحابیت کی اضافی نسبت کیسے باقی رہیگی کیا پیغمبر اکرم کے اصحاب میں بدعمل نہ تھے۔ اگر نہ تھے تو "سورہ منافقون" کے مخاطب کون ہیں۔ کیا منافقین مسلمان اور اصحاب کی تعریف میں داخل نہیں ہیں۔ عبداللہ حمار نے جنگ خیبر میں شراب پی۔ پیغمبر اکرم نے اپنی نعلین مبارک سے ان کے منہ پر مارا۔" ملاحظہ ہو سیرت النبی" حضرت عمر کے بہنوئی "قدامہ ابن مظعون" نے شراب پی اور حضرت عمر نے چار ونا چار ان پر حد جاری کی۔ یہ تو "بدری" بھی تھے۔ ملاحظہ ہو اصابہ صفحہ (۲۲۸ و ۲۲۹) واستیعاب صفحہ (۲۶۰) طبع مصر۔ اس سے زیادہ حدیث ذیل ملاحظہ فرمائیے

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الی رجال منکم حتی اذا ھویت لاناولھم اختلجو دونی فاقول ای رب اصحابی یقول لا تدری ما احدثوا بعدك"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر تم لوگوں کا پیش خیمہ ہونگا اور تم میں سے کچھ لوگ مجھ تک اٹھائے جائیں گے (میرے پاس لائے جائیں گے) جب میں ان کو (پانی) دینے کے لئے جھکونگا تو وہ ہٹا دیئے جائیں گے میں عرض کرونگا پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں ارشاد ہوگا تم نہیں جانتے انھوں نے جو جو (دین) میں نئی باتیں تمھارے بعد نکالیں۔" تیسیر الباری۔ پارہ (۱۹) صفحہ (۲)

اس حدیث صحیح سے ثابت ہو رہا ہے کہ اکثر اصحاب رسول اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے قیامت کے دن سزا پائیں گے تو کیا معاویہ ابن ابی سفیان اپنی خطائے اجتہادی کی سپر کی آڑ میں سیدھے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

برادران اہلسنت کا سب سے بڑا عذر معاویہ کی "خطائے اجتہادی" ہے۔ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ "ہم کیوں اس قدر معاویہ پرست بنے ہیں۔ کیا قرآن کی کوئی آیت یا رسول اکرم کی کوئی حدیث صحیح نہ سہی ضعیف ہی سہی معاویہ کی فضیلت میں بتا سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے اہلبیت رسول خصوصاً علی ابن ابی طالب علیہم السلام کے فضائل ومناقب میں اس قدر احادیث صحیحہ کتب فریقین میں موجود ہیں کہ جس سے کسی مسلمان کو انکار ہی نہیں باوجود اس کے ہم علیؑ جیسی ہستی کے مقابلہ میں معاویہ کو کھڑا کر دیں اور اسکی بداعمالیوں کو چھپانے کیلئے خطائے اجتہادی کی آڑ لیں۔ یہ تو اہلبیت نبی سے کھلی ہوئی دشمنی ہے۔ خصوصاً وہ اہلسنت جو محبت اہلبیت کے مدعی ہیں

اُن کیلئے تو ہرگز یہ سزاوار نہیں ہے۔ خدا نے ہم کو عقل دی ہے اور خطائے اجتہادی کی تعریف یہ ہے کہ "اگر کوئی مجتہد مسائل فقیہ کے استنباط میں سہواً غلطی کرے" تو اُسکی یہ غلطی قابل درگزر ہوگی۔ اگر شروع سے آخر تک جان بوجھ کر ایسی خطائیں کرتا ہے تو ایسے مجتہد کو مسند اجتہاد سے اٹھا دینا پڑیگا۔ جو شخص خود علیؑ اور اولادِ علیؑ پر برسر منبر سب وشتم ولعن کرے اور اپنے تمام قلمرو میں اعلان کردے کہ خطبۂ جمعہ وعیدین وقنوت نماز میں علیؑ اور اولادِ علیؑ پر سب وشتم ولعن کی جائے اور یہ نص رسول "من سب علیاً فقد سبنی" "نعوذ باللہ" رسول اللہ پر سب وشتم کرے۔ کیا مسلمان اسکو خطائے اجتہادی کہکر ٹال سکتے ہیں۔ "من قتل متعمداً فجزاءٗ جہنم" کی نص قرآنی سے کون انکار کرسکتا ہے اور معاویہ نے کتنے اصحاب رسول کو قتل کیا اور پیغمبر اکرم کے فرزند امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر دلوایا۔" ملاحظہ ہوں کتب تاریخ وسیر۔ کیا خطائے اجتہادی کی سپران بدعمالیوں کی سزا کو روک لے گی۔

یہ عجیب منطق ہے کہ علمائے کبار اہلسنت "حسنین علیہما السلام کی شہادت کو رسول اللہ کی شہادت قرار دیتے ہیں اور رسول اللہؐ کے قاتل کو حضرت۔ یا۔ رضی اللہ عنہ یا کم از کم "صاحب" ضرور فرمائیں گے۔ کیا یہی اسلام اور اہلبیت رسولؐ کی محبت کی علامت ہے۔

میں علمائے اہلسنت سے مخاطب نہیں ہوں۔ اسلئے کہ انکی شان اس سے بہت اجل وارفع ہے کہ وہ معاویہ کو علیؑ کے مقابلہ میں کھڑا کردیں۔ چنانچہ السید الجلیل محمد ابن عقیل ابن یحیی العلوی الحسینی اپنی کتاب "النصائح الکافیہ لمن یتولی معاویہ" مطبوعہ مطبع مظفری بمبئی کے صفحہ ۷۰ پر تحریر فرماتے ہیں "ونقل ابوعثمان الجاحظ" فی الکتاب الرد علی الامامیہ ان معاویہ کان یقول فی اخر خطبتہ اللہم ان اباتراب الحد فی دینک و صد عن سبیلک فالعنہ لعنا وبیلا وعذبہ عذابا الیما۔ قال وکتب بذالک الی الافاق وکانت ھذہ الکلمات یشاد بہا علی المنابر الی ایام عمر ابن عبد العزیز۔ اور ابو عثمان جاحظ نے کتاب الرد علی الامامیہ میں نقل کی ہے کہ معاویہ ہمیشہ اپنے خطبوں کے آخر میں کہا کرتا تھا "اے اللہ بیشک ابوتراب تیرے دین سے برگشتہ ہوگئے ہیں اور تیری راہ سے پھر گئے ہیں معاذ اللہ پس تو ان پر سخت ترین لعنت کر اور ان کو سخت عذاب سے معذب کر"۔ اور اس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ کلمات اپنے ممالک محروسہ میں ہر جگہ لکھ بھیجے چنانچہ انہی کلمات کو منبروں پر کہا جاتا تھا اور یہ سلسلہ عمر ابن عبد العزیز تک جاری رہا"۔

پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں "یروی ابو الحسن المدائنی فی کتاب الاحداث قال "کتب معاویہ نسخہ واحدۃ الی عمالہ بعد عام الجماعۃ ان برئت الذمۃ ممن روی شیاء من فضل ابی تراب و اہل بیتہ" وقامۃ الخطباء فی کل کورۃ وعلی کل منبر یلعنون علیا و یبرؤن منہ ویقعون فیہ و فی اہل بیتہ (ترجمہ) کتاب الاحداث میں ابو الحسن مدائنی نے روایت کی ہے اُس نے کہا کہ "معاویہ نے اپنے عاملوں کے نام فرمان جاری کیا۔ عام الجماعہ (حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت) کے بعد کہ میں ہر اُس شخص سے بری الذمہ ہوں (میں اسکی جان و مال کا ضامن نہیں ہوں) جو ابو تراب اور ان کے اہلبیت کی فضیلت بیان کرے" اس حکم کے سنتے ہی ہر جگہ ہر منبر پر علیؑ اور اُن کے اہلبیت پر لعنت شروع ہو گئی" ۔

اسی کتاب کے صفحہ (۷۷) پر لکھا ہے "ومن عجیب ما یحکی من ذالک ان الولید ابن عبد الملک کان لحانا وانہ خطب فی خلافتہ وذکر علیا فقال انہ کان لص ابن لص بالجر "فعجب الناس من لحنہ فیما لا یلحن فیہ ومن نسبتہ علیا الی اللصوصۃ وقالوا ما ندری ایہما عجب" ۔ (ترجمہ) اور بڑی عجیب بات ہے جو اس بارے میں بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ ولید ابن عبد الملک جو اعراب میں بہت غلطیاں کرتا تھا اُس نے معاویہ کی خلافت کے بارے میں تقریر کرتے کرتے حضرت علیؑ کا ذکر کیا تو کہنے لگا (معاذ اللہ) وہ چور اور چور کے بیٹے تھے (بجائے لصٌّ ابن لصٍّ کے لصٌّ ابنُ لصٍّ کہا) تو اس اعرابی غلطی پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ ایسی معمولی اعرابی غلطی کسی نے نہیں کی اور دوسرا تعجب یہ ہوا کہ اس نے علیؑ جیسی ہستی کو چوروں سے نسبت دی لوگوں نے کہا "ہم نہیں بتا سکتے کہ دو میں سے کونسی بات عجیب تر ہے"

اے برادران اہلسنت ۔ اے فدائیان رسولؐ ۔ اور ۔ اے مدعیان محبت اہلبیت رسولؐ ذرا اپنے علماء اور مؤرخین کی تحریریں پڑھو ۔ میں نے تمام اہلسنت والجماعت کے علماء محدثین اور مؤرخین کے حوالے دیئے ہیں کیا انہوں نے غلط لکھا ہے ۔ اگر صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے تو خدا کے لئے انصاف کرو کہ علیؑ اور اولاد علیؑ پر ان الفاظ میں سب و شتم کرنے والا بہ نص رسولؐ مسلمان ہی نہیں ہے (من سب علیا فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ) جس نے علیؑ پر سب کیا اُس نے مجھ پر سب کیا اور جس نے مجھ پر سب کیا اُس نے خدا پر سب کیا ۔ کیا خدا اور رسولؐ پر سب کرنے والا مسلمان ہوگا ۔ اب ایک آخری شہادت ایک ایسے سنی عالم جید کی پیش کرتا ہوں جو اس وقت موجود ہے یعنی جناب مولانا ابو الکلام آزاد ادام اللہ ایامہٗ اور اسی

پر یہ مقدمہ ختم کر دوں گا۔

جس زمانہ میں اخبار "الہلال" کلکتہ سے شائع ہو رہا تھا مولانا نے "امر بالمعروف والنہی عن المنکر" کی سرخی سے ایک سلسلہ شروع کیا۔ اسی سلسلہ کے ایک مضمون میں بنی امیہ کی بدعتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس پر عبید اللہ صاحب (امجھر) نے مولانا پر اعتراض کیا جس کا جواب مولانا نے "الہلال" کے (۱۰) صفحات پر لکھا ہے۔ میں اپنی ضرورت کے موافق صرف چند فقرات نقل کرتا ہوں

از انجملہ بنی امیہ و آل مروان کی ایک سب سے بڑی ہادم شریعت اور پر معصیت و فسق و عدوان بدعت شنیعہ وہ تھی جس کا اتباعانہ اتباع برادران شیعہ نے شروع کیا اور افسوس ہے کہ بدبختانہ شاید آجتک کرتے ہیں یعنی سب سے پہلے سرزمین اسلام میں رحم و محبت اور صلح و اخوت ہی کی تخم ریزی کیلئے بنی تھی۔ سب و شتم اور لعن و تبرے کا تخم انھوں نے بویا۔ مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت و طاعت الٰہی و اذکار و اشغال کیلئے بنائی گئی تھی اپنے اغراض نفسانیہ منکرہ سیاسیہ سے اہلبیت نبوت اور حضرت امیر علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجنی شروع کی اور جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں اس فعل شنیع و منکر کو (کہ نہیں جانتا اسکو کن لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا۔ چنانچہ تکبیر و تسبیح کی صداؤں میں خطیب ممبر پر چڑھتے تھے اور تحمید و تقدیس و صلوٰۃ و تسلیم کے بعد آخر میں حضرت علی علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجتے تھے۔ اور شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم و معصیۂ کبریٰ و ہتک شریعۃ الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ (ملاحظہ ہو الہلال نمبر (۲۱) جلد ۲ ؛ مورخہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ چہارشنبہ صفحہ (۴۶۲) اسکے بعد صفحہ (۴۶۳) کے پہلے کالم پر لکھتے ہیں "کیا مسلمانوں پر جنگ (صفین) میں پانی کا روک دینا بھی بدعت نہ تھا جبکہ دوسرا فریق (علیؑ) غالب ہو کر بھی نہیں روکا۔ کیا سخت سے سخت مکر و خدع سے کام لینے میں بھی باک نہ ہونا۔ خفیہ دسائس سے مسئلہ تحکیم کا فیصلہ کرنا اپنے اغراض سیاسیہ کو ہر موقع میں شریعت پر ترجیح دینا اور اس کیلئے لوگوں کو خفیہ و علانیہ بیت المال سے روپیہ دینا (جیسا کہ خود کہا کہ "کنت احب الی قریش منہ (یعنی من علی) الفی کنت اعطیھم وکان یمنعھم فکم سبب من قاطع وناقر عنہ۔ استیعاب) شخصی طور پر بزور و جبر اپنے لڑکے کو ولیعہد بنانا۔ عجمی شان و شکوہ اور علو و رفعت سے دربار آرائی کی اساس اولیں قائم کرنا مسجد میں اپنے لئے عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنا کر نماز پڑھنا اور شمشیر برہنہ نگہبانوں کے حصار کے اندر سجدہ کرنا اور اسی طرح کے بیسیوں محدثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائیگا" اس کے چند سطور بعد فرماتے ہیں: "خلافہ مرتضوی" ۔ آپ فرماتے ہیں "بنی امیہ کی فتوحات کو دیکھئے تو خود حضرت علیؑ کے زمانہ میں مفقود نظر آئے گی" ۔

فتوحات ممالک جدا ہیں اور توسیع حکومت اسلام یقیناً ایک ایسی شئے ہے کہ اس تیرہ سو برس میں جن جن ہاتھوں پر اس کا ظہور ہوا ان کی خدمت کا اعتراف ہمارا فرض ہے لیکن میں نے اپنے مضمون میں "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کے سلسلہ کی تاریخ اسلامیہ لکھی تھا نہ کہ تاریخ فتوحات اسلامیہ پھر وہاں مجھے اس سے کیا غرض کہ کن کن کے ہاتھوں زیادہ فتوحات ہوئے ہیں اور کون اس سے قاصر رہے ہیں۔ بحث کے مواقع اور مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ رہا حضرت امیرؑ کے زمانہ میں فتوحات خارجیہ کا نہ ہونا تو میں نہایت رنج وغم سے اس غلط فہمی کو دیکھ رہا ہوں جو آجکل کے نئے مذاق سیاسی نے پیدا کر دی ہے اور اس کا ظہور جناب کے اس ارشاد میں بھی ہوا ہے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت امیرؑ کا زمانہ ایک نہایت ناکام زمانہ تھا۔ حکومت اور سیاست کے لئے وہ بالکل موزوں نہ تھے۔ ان کے زمانہ میں اسلام کے لئے کوئی نئی فتح نہیں ہوئی اور کوئی نئی ملکی وارضی توسیع نہیں ہوئی اور پھر اس کے اصول ومعیار قرار دیکر نہایت شدید غلطیاں اس بارہ میں کی جاتی ہیں۔ مگر یقین [illegible] رکھتا ہوں نہایت افسوسناک سطح بینی اور تاریخ کی بے خبری پر دلالت کرتا ہے وقت اور موقع [illegible] ایک مبسوط اور جامع سوانح حضرت امیر علیہ السلام کی لکھی جائے اور اس غلط فہمی سے لوگوں کو نجات ملے۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو انشاء اللہ یہ ایک اہم خدمت تاریخ اسلام ہے جسکو انجام دینا ہے یہاں اس بارہ میں اختصار ممکن نہیں اور تفصیل متعذر"

جناب مولانا آزاد حضرت امیر المومنینؑ کے جو فتوحات لکھنا چاہتے ہیں ان کو خود اس جناب نے اپنے مشہور خطبہ "شقشقیہ" میں چند الفاظ میں بیان فرما دیا "فلما نہضت بالامر نکثت طائفۃ ومرقت اخریٰ وقسط آخرون کانہم لم یسمعوا کلام اللّٰہ حیث یقول (تلک الدار الآخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین) بلیٰ واللّٰہ لقد سمعوہا ووعوہا ولکنہم حلیت الدنیا فی اعینہم وراقہم زبرجہا" (ترجمہ) [illegible] میں مشغول ہوا ایک جماعت نے میری بیعت توڑ دی (طلحہ وزبیر نے) [illegible] (اہل شام) خدا کی اطاعت سے باہر ہو گئے گویا ان مخالفین نے سنا ہی نہ تھا کہ خدا نے کیا فرمایا [illegible] قرار دیا ہے کہ جن کا مقصد روئے زمین پر فساد کرنا نہیں ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہی نیک جزا ہے۔ ہاں خدا کی قسم انہوں نے سنا اور خوب سنا لیکن دنیا نے اپنی زینت وزیبائش سے انکی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا۔) یہی علیؑ کی حقیقی فتح تھی

اس کے عدد نمبر (۲۲) جلد (۲) بابتہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ روز چہار شنبہ صفحہ (۳۸۲) کے کالم (۲)

تحریر فرماتے ہیں" جناب نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے کہ "آپکی تلخ کلامیوں نے "رفض" کی یاد تازہ کردی جنہوں نے صحابہ کو سب و شتم کرنا اپنا پیشہ بنالیا ہے"۔

لیکن اگر اعمال مروانیہ کو ظلم و جور کے لفظ سے تعبیر کرنا رفض ہے تو میں بکمال مسرت و ابتہاج وہی کہوں گا جو امام شافعی کی طرف منسوب ہے "فلیشهد الثقلان انی رافضی"۔ اور خوش ہوں گا کہ یہ ایک ایسا رفض محبوب و مطلوب ہے جس میں الحمدللہ میرے ساتھ وہ وہ لوگ شریک ہیں جن کا نام آج دنیائے اسلام بغیر دعا و تحیۃ کے نہیں لیتی۔ رہا تبرّہ اور سب و شتم تو افسوس ہے کہ اس بدعت شنیعہ کی بنیاد اولیں بھی بنو امیہ ہی نے رکھی جو علانیہ بر سر منبر ذکر خدا و رسولؐ کے ساتھ حضرت امیرؑ پر لعنت بھیجتے تھے۔ اور اسی کا اتباع ہے جو شیعی دنیا [illegible] کر رہی ہے۔ کیا یہ انتہائی تعجب کا مقام نہیں ہے کہ حیدرآباد دکن کے برادران سنت علیؑ کے نام کے ساتھ لفظ "ولی" سنکر مشتعل ہو جاتے ہیں یعنی اذان میں "اشهد ان علیا ولی اللہ" اگر کہا جائے تو ان کے لئے اشتعال کا باعث ہوتا ہے۔ اسی بناء پر ۱۳۱۷ھ سے آج تک مسجد جعفری میں یہ جملہ اذان میں نہیں کہا جا رہا ہے۔ لطف یہ ہے کہ حیدرآباد میں تقریباً فی صدی (۷۵) مساجد شیعوں کے ہیں جن میں برادران اہلسنت نماز پڑھتے ہیں اور تمام ائمہ اربعہ کا یہی قطعی فیصلہ ہے کہ "خلاف منشاء واقف کسی موقوفہ جائیداد پر تصرف جائز نہیں ہے"۔ بڑی سے بڑی اور قوی سے قوی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ "یہ ہمارا مفتوحہ ملک ہے" "سبحان اللہ" "بناء الفاسد علی الفاسد" کی مثال اس سے بہتر مل نہیں سکتی کیا سلطان عبداللہ نے تلوار اٹھائی یا عالمگیر نے۔ تاریخ تو صاف بتلا رہی ہے کہ عالمگیر نے حملہ کیا۔ اب اصح الکتب کی اس حدیث پر غور فرمایئے کہ "اگر مسلمان مسلمان پر تلوار اٹھائے تو کفر ہے اور اس کے بعد اپنی فتح کی خوشی منائے" اگر اسکو عالمگیر و علمائے جہاد کی [illegible] کر رہے ہیں اون کا اور اُن کے عمل کا کیا نتیجہ ہوگا۔

حاشا وکلا - میں ہرگز اسکو [illegible] اہل سنت کا عمل نہیں سمجھتا۔ اسلئے کہ کوئی مسلمان علیؑ کی ولایت کا منکر نہیں ہے اب رہا مسجد جعفری کا یہ واقعہ تو یہ تو ایک سیاسی مسئلہ بن گیا تھا۔ اکثر علمائے اہلسنت نے اذان میں اشهد ان علیاً ولی اللہ کہنے کو جائز قرار دیا ہے جو بنی امیہ اور مروانیوں کے پیرو تھے انھوں نے اسکو قبول نہ کیا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کیوں اس پر اصرار ہے۔ بھائیو خدا کے لئے اس بے جا عصبیت اور اندھی تقلید سے باز آؤ اور تمام مسلمان مثل زنجیر کی لڑیوں کے ایک دوسرے سے متصل ہو جاؤ۔ کیا اس سے زیادہ مسلمانوں کے لئے اور بھی برا وقت آئے گا۔ دیکھو اور غور سے دیکھو۔ اب ایک بے دینی کا طوفان اُٹھنے والا ہے جو سب کو بہا لے جائیگا نہ ہندو ہندو رہیگا اور نہ مسلمان مسلمان۔ یہی

منخلیفۃ الرحمٰن

نہایت سخت طوفان ہوگا دعا کرو کہ خدا انسانیت کو اس سے اٹھالے اگر تمام مسلمان متحد ہو کر اپنا ایک صحیح مسلک نہ بنالیں تو یقین مانو کہ سب اس طوفان کے شکار ہو جائیں گے اور اس وقت کچھ نہ کر سکو گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ برادران اہلسنت کیلئے اس سے زیادہ شواہد کی ضرورت ہوگی لہذا اب میں اپنے اس آخری جملہ پر یہ مقدمہ ختم کرتا ہوں۔

قطع نظر ان تمام حالات کے یہ تو روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ معاویہ نے خود علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب و شتم کیا اور اس کے حکم سے اس کے تمام ممالک محروسہ میں تقریباً (۹۰) برس تک یہ بدعت جاری رہی۔ برادران اہلسنت میں جو سادات ذوی الاحترام ہیں کیا وہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی اولاد سے نہیں ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو دعوائے سیادت ہی غلط ہوگا اور اگر ہیں تو کیا اُس شخص کی تعریف و توصیف کریں گے یا اُس کا نام احترام سے لیں گے جو اُن کے آبا و اجداد کو برا کہتا تھا اور اُن پر لعنت کرتا تھا۔ اس کا تصفیہ میں نے انہی پر چھوڑ دیا ہے۔ وہی قیامت کے دن اس کا جواب اپنے جد امجد علی ابن ابی طالب علیہما السلام کو دیں " وما علینا الا البلاغ "

فقیر حقیر

سید عباس حسین

دارالشفاء۔ حیدرآباد۔ دکن

۲۳ شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ۔ سہ شنبہ

21 / ... / ...

مقدمہ ناشر کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشیع یا آسمانی حکمت

تشیع ۔ مقدس ترین عقیدہ ہے

تشیع ۔ کہتا ہے کہ "شجرۂ نبوت کی ایک سبز اور بارآور شاخ اُمت اسلامیہ میں اس وقت موجود ہے

تشیع ۔ کہتا ہے کہ "انسانیت کا معیار ہی یہ ہے کہ ایک کامل پیشوا اور امام کی شخصیت ہمیشہ رہنا چاہئے"

تشیع ۔ کہتا ہے کہ "صاحبان فضل خدائی احکام کے موافق ایک بہترین عادلانہ حکومت بنائیں"

تشیع ۔ کہتا ہے کہ "جسطرح اون کے پیشواؤں نے قربانیاں دیں اُسی طرح ہم بھی اُس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر چیز قربان کر دیں"۔

تشیع ۔ کہتا ہے کہ "سب حکم الٰہی کے منتظر رہیں۔ اُن کا مطلوب (حکم الٰہی کا نافذ کرنے والا) دنیا کی نظروں سے چھپا ہوا ہے۔ اِس مذہب کے پیرو خود اپنی اور اپنے ساتھیوں کی اصلاح کر کے اُس (مطلوب) کے ظہور کے منتظر رہیں"۔

تاسف کی جگہ ہے کہ یہ مقدس بنیاد جو نبوت کا ماحصل ہے انوار نبوت کے غروب ہونے کے بعد اسلامی سیاست اور اس وقت کے مسلم سیاسوں کے ہاتھ میں کھیلتی رہی اور اُن کی حسب دلخواہ سیاست کے غلیظ دھوئیں نے اُس (نور مقدس) کو تاریکی میں چھپا دیا کہ اکثر قرآن کے پیرو مسلمانوں پر یہ حقیقت پوشیدہ رہی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مرور زمانہ کی وجہ سے یہ خود غرضی جاہلانہ عصبیت سے بدل گئی اور اتنی کوششیں کی گئیں کہ یہ درخشاں حقیقت اپنی اصلیت پر باقی نہ رہ سکی ۔

لیکن اب دُنیا کی ہر جہتی ترقی ۔ اجتماعی علم کا ظہور ۔ نئی نئی حکومتوں کی تشکیل اُن کے طور طریقے اور حکومت و تاریخ کے اسرار سے روز بروز حقیقت واضح ہو رہی ہے ۔

اس کے علاوہ اس حقیقت کو روشن کرنے اور عصبیت کے پردوں کو چاک کرنے کے لئے چاروں جانب
سے بجلیاں کوندتی ہیں

ازغرب جہاں

فرانس کا ایک عالم کہتا ہے کہ "مغرب (اسپین) سے اسلام کے نابود ہونے اور مشرق میں باقی رہنے کا راز یہ ہے کہ مغرب میں " امویوں" نے اسلام کی بناء کر کے فقط اسلام کے ظاہری احکام نافذ کئے۔ یہی وجہ تھی کہ نصرانیوں کی ظاہری و باطنی کوششوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور اسلام کی بنیاد دھاں کھوکلی ہوگئی۔ برخلاف اس کے مشرق میں اسلام کی باطنی تعلیم علی علیہ السلام کے پیرو دل میں باقی تھی جو شیعہ کہلاتے ہیں۔ اسی کی بدولت وہ اس قابل ہیں کہ اتنی صدیوں سے مغرب کی طاقت کا مقابلہ کر سکیں۔

دیگر ازافق فضل اسلامی (مصر)

علامہ مصری شیخ عبداللہ علائی کی تصنیف جو " تاریخ الحسین " کے نام سے لکھی گئی ہے۔ ایسا روشن چراغ ہے کہ جس کے پرتو (خصوصاً جلد دوم) نے ہر طرح حقائق کو واضح اور روشن کر کے وہاں کے متعصب اور دہو کہ بازوں کے قلم توڑ دیئے۔ اور حق گوئی و شرافت تاریخی کے نام سے جو تیر چلائے جا رہے تھے انہی تیروں نے خود ان کو مجروح کر دیا

ازافق اسلامی (سرزمین ترک)

یہی کتاب ہے جو ترک کے اس بڑے عالم نے مسلمانوں کی خدمت اور دنیائے اسلام سے تفریق و نفاق دور کرنے کی غرض سے نہایت مضبوط دلائل اور متانت کیساتھ ان خدا کے برگزیدہ اور منتخب بندوں یعنی ائمہ اہلبیت کی تاریخ پیش کی ہے اور اس کا سبب بھی بتلا دیا کہ ائمہ اہلبیت سے روگردانی ہی اس اختلاف و افتراق کا باعث ہوئی اور اسی کے اثر سے اسلام میں یہ ضعف و زبوں حالی پیدا ہوئی (مصنف) کی یہ رائے ہے کہ اسی کی چارہ جوئی ہونی چاہیئے اور عصبیت سے ہٹکر پاک دلی کیساتھ اس مقدس مقصد کو حاصل کرنا اسلامی فریضہ ہے۔ چونکہ وہ (مصنف تاریخ) پاک خیالات اور منصفانہ قوت کا مالک ہے اس لئے اُس نے یہ صحیح اور عادلانہ فیصلہ صادر کیا ہے۔ اسی بناء پر یہ کتاب بہت سے علماء کی توجہ کا مرکز بن گئی

برقی از مرکز تشیع

دائرۃ المعارف علوی" یا نہج البلاغہ جدید" جسکے مقاصد شیعوں کے امام اماماں امیرالمومنین علیہ السلام کی سیرت مبارک پیش کرنا ہے۔ خدا کی توفیق اور شیعوں کے علامہ حجۃ الاسلام آقائی آقا مرزا خلیل کمرہ ای قوت علمی سے مسلمانوں کے سامنے پیش ہو رہی ہے۔ اس وقت تک اُس کا صرف ایک ہی حصہ شائع ہوا ہے اسی کتاب (محاکمہ در تاریخ آل محمدؑ) کے مصنف کی شخصیت بلند۔ اُن کی گفتگو حجت اور نیت پاک تھی۔ اس کے علاوہ اصل کتاب بھی کم یاب ہے۔ اسلئے آقا مہدی ادیب نے زبان ترکی سے فارسی میں ترجمہ کر کے اسی مقصد کی تائید میں اپنے خیالات بھی ظاہر کئے ہیں اور دونوں کو ایکساتھ طبع کر کے اپنے خیالات آخر کتاب میں بطور ضمیمہ کے منسلک کر دیئے۔ پیغمبر اسلام کی مقدس روح اُن کی حافظ و نگہبان رہیگی

سید محمود طالقانی

مترجم کا مقدمہ

بیان واقع

کسی سمجھدار سے مخفی نہیں ہے کہ اسلام کی کمزوری اور مسلمانوں کی ذلت کی سب سے بڑی علت اُن کا باہمی افتراق ہے۔ دنیا کی تاریخ اس پر گواہ صادق ہے کہ جب مسلمان دین کی خدمت اور آخرت کی نیکیاں حاصل کرنے کے بہانے سے نہایت ظلم و تشدد کیساتھ آپسمیں ایک دوسرے کو قتل و غارت کرنے میں مشغول تھے دوسری اقوام بغیر اپنا وقت ضائع کئے اپنی قوم و ملت کی تعمیر۔ اپنی قوت کے بڑھانے اور اپنے ہنر کی تحقیقات میں کوشاں اپنے وسائل کی ترقی اور ان کو مضبوط بنانے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ چنانچہ اُن کی پسماندہ (نسلیں) آج اُن کی اُسی محنتوں کا ثمر پا رہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص مسلمانوں کو اسلامی برادری کے خلاف اُن کی بیجا ضد اور رفتار کو دیکھکر بے اختیار تعجب کرتا ہے کہ غفلت کی بیہوشی نے ان کی بصیرت کو کسطرح نابود کر دیا کہ انھوں نے اس دین مقدس کے احکام کو بھلا کر پس پشت ڈالدیا۔

یہ بندہ عاجز جو اسلام کی بزرگی کا عاشق ہے وحدت اسلامی کی معرفت اور اُس کے احکام کی پذیرائی میں مسلمانوں کی نجات سمجھتا ہے۔ لیکن وہ وحدت جو کھوٹ اور ہر قسم کی آلائش سے پاک۔ اور وہ وحدت جو ہر طرح کے اغراض نفسانی سے بری اور خدا و رسولؐ نے جس وحدت کا حکم دیا ہو۔ میری ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ ملت اسلامیہ میں وحدت کے آثار (سعادت) دیکھوں۔ خوش قسمتی سے فاضل متبحر آقائی آقا قاضی بہلول بہجت افندی [illegible] صفات ظاہری و باطنی سے متصف ہیں انکی کتاب (محاکمہ در تاریخ آل محمد) میری نظر سے گزری [illegible] مرکز پر متفق کرنے کیلئے بہترین راستہ دکھلانے والی ہے۔ ایک صاحب احترام [illegible] نفع عوام [illegible] فائدہ کی خاطر فارسی میں اُس کا ترجمہ کرنے کی غرض سے مجھے مرحمت فرمائی۔ میں اس اسلامی خدمت کو اپنی آخرت کا ذخیرہ سمجھکر پڑھنے والے حضرات سے التجا کرتا ہوں کہ رسول کے مقدس خاندان کو اپنا مرکز بنا کر ہر طرح کے نفاق و پراگندگی کو یکجہتی اور اتفاق سے بدلدیں اور اس خطرناک زمانہ میں ایک دل اور ایک زبان ہوکر ایک ہی پرچم کے تلے باہم شریک اور ایکدوسرے کے مدد و معاون ہوں فقط

مہدی ادیب

مقدمهٔ مصنف بلغت اصل ترکی

ترجمه ؟

وحدت اسلامیه

اساس وافاده

اومت وحدهٔ اسلامیه بوبیر کلمهٔ دل آرادرکه تا ظهور اسلامدن بری قلوب مسلمینی کندینه جذب وجلب ایتمه ده در افراد اسلامیه دن بر نفرده اولسون بولنمازکه وحدت واتحاددن بحث ایتمه سون. دورت یوز ملیونلی بیر دنیانک وحدهٔ فکر واتحاد ایتمه سنه عاشق اولماسون

بز وحدت اسلامیه دن بوراده وحدت سیاسیه نی دکل بلکه وحدهٔ فکر واتحاد غایه نی مراد ایدرز.

بزدیکه عالم اسلامک فکراً ومسلکاً بر اشعه سنه افراد اسلامیه نک جمله سی طرفدار در اویله ایسه بزده بوغایه نک طرفداری اولمایه مایلز. انجق بوقدر وار که بوغایه نک اساسی قورماق استیینلر. وعالم اسلامی ملل غربیه قیاس ایدنلر وبو نقطهٔ نظردن اوغراشانلر یاکالیورلر عمده آچیغچه سنه سهوا بدرلر.

جمله یه آشکاردر که ملل غربیه نک افکار عمومیه سنه حکمران وضعیت سیاسیه اولدوغی حالده افراد اسلامیه اوزرینه حاکم بالکز دین ومذهبدر. مثلا. بر فرانسز قانونیکی وضعیت سیاسیه سنه مساعد اولدوقی نظریله پروتستان بر انگلیزی دائما سویور. ولی هم مذهبی اولان بر اوستو یالی نی اسلاسومیور چونکه مذهبا برلک وار ایسه ده سیاستا ارینده اختلاف وار در وهکذا بر لین لی بیر المان پروتستان مذهب داشی اولان لوندون لی بیر انگلیزی کندینه دشمن عدا ایتدیکی حالده. بنه سیاسی نظریله قانون لیک بیر وینه لی یه دوست نظریله باقر چونکه بوراده افکار اوزرینه حاکم سیاست در. مذهب ایسه. صفر درجه سنده در. لیکن اسلام عالمی بیله دکلدر نه سیاست ونه دیگر شی افکار اسلامیه اوزرینه حاکم اولمیوب. بلکه دین ومذهب در. که افراد اسلامیه اوزرینه حکمران حقیقی در. مثلا. قفقاسیه حدودنده باشیان مسلمان نیر کرد. کردستانی بیر کرد ایله اویوشا نیمور. چونکه مذهبی اختلاف وار ولی بیر تبریزلی سوویور چونکه اتحاد مذهب در وار در.

هکذا اصفهانلی بر فارس هم اولان کابل لی بر فارسی تانیمایور چونکه وحدهٔ مذهبیه لری یوقدر یا ایی همه

آزربایجانم) برترکیا سوپور چونکه هم مذهبدرلر . بودرکه عالم اسلامه حکمران . دین ومذهب دردر . عرق وسیاست صفر درجه سنده دور .

بیله ایسه عالم اسلامک وحدة وتوحیدنی آرزو ایدنلر البته دین ومذهب نقطه نظریله ایشه کریشمه لیدر . ایمدی برعالم اسلامک اختلاف نقطه سنی نه ره ده آختارمالی و بولمالیمز بلی بزدیرزکه دین اسلامده اساس اعتباریله برماده اختلاف یوخدر ولی تشکیل اعتباریله تاریخ خطاسی اولارق مهم براختلاف عالم اسلامی پارچالایوب اساس وحدت یه سنی گمرمه ده دور .

بزلویگانه انتماینی بالکز تاریخ آل محمد ص و حقوق خاندان نبوتده بلوز فکریمزجه اختلاف امت بودائره ده حاصل اولدوقی بردن باغلانمالی زهر خبط اوزلدیکی مکاندار یو تملیدر .

بودرکه برتشریح ومحاکمه آدلی کتابمزی قلمه آلدق ومحل اختلاف نقطه لری تشریح ومحاکمه ایله حق وحقیقت نه یه ده اولدوقنی اثبات وارانه ایندیک فکرمزجه کتاب مزامت مرحومه نین توحید افکار امه سنه یگانه برمدار وردلی احقاق حق ایتمه ده نه اندازه ده بذل مقدرت ایتدیمزی قارئین گرامین انصاف وقوه ایمانیه لوینه حواله ایدرز .

(زنگازوری قاضی بهلول بهجت)

ترجمہ

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق

بسم اللہ خیر الاسماء

تشریح و محاکمہ

در تاریخ آل محمد صلوات اللہ علیہم

ایزد متعال کی توفیق و عنایت اور عقل کل و ہادی سبل یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ہدایت کے سایہ میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں جس کا عنوان (تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمد) رکھا ہے یہی اس کتاب کا نام بھی تجویز کیا ہے اور اس احقر کی نظر قاصر میں یہ کتاب نہایت قیمتی بلکہ لاقیمت ثابت ہوگی

تمام مسلمانوں پر ظاہر ہے اور سب جانتے ہیں کہ جس طرح خاندان عصمت و طہارت (اہلبیت) کی محبت و مودّت ہر فرد مسلم پر واجب ہے اسی طرح اس سلسلۂ طیبہ سے تعلق رکھنا اور ان کے تاریخی حالات کا ذکر بھی اسی محبت کی ایک شاخ اور اہم فریضۂ دینی ہے۔

افسوس ہے کہ امت مرحومہ کا عمل بالکل اس کے خلاف رہا۔ علماء اسلام نے مختلف علوم و فنون میں بڑی بڑی ضخیم تصانیف چھوڑیں لیکن اس سلسلۂ پاک کے متعلق کہ جس کی محبت اسلام کی جان اور ... ایمان کی اہم شرط ہے کوئی صحیح تاریخی یادگار کسی نے نہیں چھوڑی حالانکہ اسی فن تاریخ میں "تاریخ آل سامان" - "تاریخ آل سلجوق" "تاریخ آل ..." "تاریخ آل عثمان" ہماری نظروں کے سامنے موجود ہیں۔ مگر ایسی تاریخ کہ جو آل محمد کے سلسلۂ پاک کی حقیقت کو واضح کرے ہماری نظر سے نہیں گزری۔

علماء اسلام نے تاریخ کو تمام فنون پر ترجیح دی ہے اور سب سے زیادہ اسی کو اہم بتلایا۔ جیسے "ابن خلدون"۔ "ابن اثیر"۔ "ابن خلکان"۔ "مسعودی"۔ وغیرہ نے بہترین تاریخی یادگاریں چھوڑی ہیں ان کے علاوہ ابن عساکر کی "تاریخ دمشق" (۸۰) جلدوں میں۔ خطیب بغدادی کی تاریخ (۱۰) مجلدات میں اور ان کے علاوہ "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" جیسی قابل قدر کتابیں اس فن تاریخ میں موجود ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے

ہے کہ باوجود اس قدر مفصل اور ضخیم تصانیف کے آل رسول اور اہلبیت عصمت و طہارت کی سرگذشت اور ان کے حالات پر کسی نے گہری نظر نہ والی۔ ہاں مورخین نے "متنبی" (عرب کے مشہور شاعر) کو "سید رضی (جامع و شارح نہج البلاغہ) کے مقابلہ میں اور "قاضی ابو یوسف" کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مقابلہ میں کھڑا کردیا اگر تعصب سے ہٹکر غیر جانبدارانہ فیصلہ کیا جائے تو معاملہ بالکل الٹا نظر آتا ہے۔ میرے اس دعوے سے کسی کو انکار ہو تو ثبوت کیلئے تاریخ کے صفحات حاضر ہیں۔

"طبری جیسا مشہور مورخ نہایت افسوس ہے کہ اہلبیت رسولؐ کے بعض حقائق و مطالب کو ناقابل ذکر قرار دیکر نظر انداز کردیا ہے لیکن بیہودہ خرافات اور مہمل بکواس سے قلم نہیں روکتا مثلاً نمرود کو کرگس پر سوار کرکے آسمان پر لیجاتا ہے اور عوج بن عنق کے سر کو ابر کے اوپر پہنچا دینا نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ طبری نے یہ نہ سوچا کہ کسی وقت اسکی تاریخ پر نقد و تبصرہ بھی ہوگا چاہے لیک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

مورخ کو چاہیئے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ پر بھی گہری نظر ڈالے۔ کیونکہ اسلاف کی سعی اور کوشش سے اُن کے بعد آنے والے اپنے دل و دماغ کو روشن کرتے ہیں۔ لہذا ہر وقت اُن کے معلومات میں اضافہ کی کوشش کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ اُن بیچاروں کو ان مہملات و خرافات میں حیران و سرگردان چھوڑ دیں۔ موجودہ اسلامی تاریخوں میں حقائق کو پس پردہ رکھکر ایسے واہی اور بے سروپا امور موضوع بحث قرار دیئے گئے ہیں کہ نہ اُنکی کوئی بنیاد ہے اور نہ اسلام سے اُن کا تعلق۔ درآنحالیکہ اسمیں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اسلام میں اس سلسلۂ پاک یعنی اہلبیت کا مرتبہ مثل آفتاب نصف النہار کے ظاہر و آشکار اور اُن کا درجہ بہت بلند ہے

قبل اس کے ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سلسلۂ پاک کی محبت و مودت تمام افراد امت پر واجب اہم قرار دیگئی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسکو چھوڑ دیا۔ اس بندۂ عاجز کے خیال میں یہ موضوع نہایت گہری نظر کا محتاج ہے۔ اسلئے کہ ابتدائے اسلام ہی سے مسئلہ خلافت کا رُخ بدلکر آل محمدؐ کے حقوق پامال کردیئے گئے تھے۔ ادھر خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا اور ادھر حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ یعنی بنی امیہ کا قابل نفرت۔ ظالمانہ۔ اور۔ غاصبانہ دور شروع ہو گیا۔ ظالم۔ مکار۔ (معاویہ) کے اطراف ناعاقبت اندیش اور بددیانت لوگ جمع ہونے لگے اور ان کی مکاریوں اور مظالم کی وجہ سے حقائق پوشیدہ ہوتے رہے۔ سفیدی کی جگہ سیاہی نے اور سیاہی کا مقام سفیدی نے لیا مکاری اور دغابازی

کا دور دورہ تھا اور حقیقت مفقود۔ یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اصحاب کا وہ گروہ جو ان حقائق کا ناظر و شاہد تھا خاموش بیٹھا دیکھتا رہا کیونکہ ان حقائق کے ثابت کرنے کی اُن میں صلاحیت ہی نہ تھی اگر سب نہیں تو اکثروں نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں تساہل ضرور کیا یعنی جو امانت (پیغمبر) نے اُن کے سپرد کی تھی اُس کی حفاظت اور بچانے میں کوشش نہ کی اور بعض نے بدعت و باطل کی علانیہ پیروی کرکے قعر مذلت کی راہ لی

اسکی مزید توضیح یہ ہے کہ ابوھریرہ جیسے صحابی جنہوں نے پیغمبر اکرم سے ہزاروں احادیث روایت کیں اپنی عزت و آبرو کی خاطر بنوامیہ کے تمام مظالم دیکھتے ہوئے خاموش بیٹھے رہے معاویہ کی بے شمار بدعنوانیوں اور وحشیانہ حرکات میں سے صرف ایک واقعہ تاریخ کے صفحات پر دیکھکر پڑھنے والے کو آج بھی حیرت میں ڈالدیتا ہے جس کا تفصیلی ذکر ہم کو اپنے مطلب سے دور کردیگا۔ مگر ان سب کو دیکھتے ہوئے ابوھریرہ نے معاویہ کی مدد کی اور اُس ظالم و خبیث کے دسترخوان پر شاہانہ لذیذ غذائیں کھاتے ہوئے اُسکی طرفداری میں کہا کرتے تھے "اَلصَّلوٰةُ خَلْفَ عَلِيٍّ اَتَمُّ وَبِسَاطُ مُعَاوِيَةَ اَدْسَمُ" یعنی علیؑ کے پیچھے نماز کا اور معاویہ کے دسترخوان پر کھانے کا لطف آتا ہے۔ اس سے ثابت ہورہا ہے کہ معاویہ کی غذاؤں کی لذت نے ابوھریرہ کو فریب دیا۔ اسی لئے انھوں نے نماز کے لُطف سے آنکھ چرائی اور شکم پروری کی خاطر ذلت گوارا کرکے ظلم و جور کی ترویج کا باعث ہوئے

اہلبیت عصمت و طہارت کا مشہور بدکار دشمن "بُسر ابن ارطاط" معاویہ کے حکم سے اہل مدینہ کے قتل و غارت کیلئے جب اُس مقدس شہر میں پہنچا اور صفحات تاریخ پر (لیلۃ الحریرہ) کے نام سے اس منحوس اندوہناک واقعہ کی یادگار چھوڑی (مصنف نے کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیا اس لئے "لیلۃ الحریرہ" کا جملہ قابل تحقیق ہے) سات سو اصحاب رسولؐ کو قتل کیا اور تین سو بی بیوں کی ہتک حرمت کی۔ ابوھریرہ بھی اس معرکہ میں بُسر ابن ارطاط کے شریک ہی نہیں بلکہ مدینہ میں اس کے قائم مقام رہے جس سے ان کی پست فطرتی ثابت ہورہی ہے۔

اس حقیر کے خیال میں ابوھریرہ نے رسول اللہ کی مصاحبت کے بعد معاویہ۔ مروان اور بُسر ابن ارطاط کی رفاقت اختیار کرکے صاف بتلادیا کہ ان کا کوئی مسلک ہی نہ تھا بلکہ اُن کی نیت گندی اور اُن کے تمام افعال و اعمال میں ریاکاری تھی جسکو زہد و تقویٰ کے دامن میں چھپائے ہوئے تھے اور ان سے زیادہ مغیرہ ابن شعبہ "مشہور صحابی" نے اپنی بد اعمالیوں اور فحش کاریوں کی یاد عالم اسلام میں تاریخ کے صفحات پر چھوڑی ہے۔ اس نے محض معاویہ کی ہوا و ہوس اور اُس کے نفس امارہ

کو خوش کرنے کے لئے آل رسولؐ خصوصاً علیؑ واولادِ علیؑ کو منابر پر علانیہ سب وشتم اور لعنت کرتا رہا (نعوذ باللہ)۔
ہمیں اس دلخراش تاریخی واقعہ کو دُہرانا منظور نہیں ہے۔ بلکہ یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ اُس زمانہ میں آل محمدؐ کے فضائل بیان کرنا کیسا اُن کے حالات کا معمولی ذکر بھی مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بنی اُمیہ کے دور میں (اہلبیت) کے حق اور حقیقت کا ذکر بھی نہ تھا بلکہ اُن پر مکرو فریب کے پردے ڈالے جا رہے تھے۔ امت مرحومہ کی انتھک کوشش۔ اُنکی جانبازی اور ابومسلم خراسانی کی انقلابی سعی کی بدولت بنو امیہ کا دور ختم اور بنو عباس کی سلطنت شروع ہوئی لیکن اس نجیب نسل کے عہد میں بھی آل محمدؐ اپنا حق نہ پا سکے۔ امت مرحومہ کی جان بازیوں کی بدولت ادھر بنی عباس نے مقام خلافت حاصل کیا اور اُدھر آل محمدؐ کا وہی حال ہوا جو بنو اُمیہ کے غدار دور میں تھا۔ یعنی وہی قید۔ وہی دھوکہ۔ اور اُسی طرح آل محمدؐ کو جلا وطنی کے بعد مکروفریب سے قید اور زہر دیکر شہید کر دیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دور بھی آل محمدؐ کی تباہی اور بربادی کا ثابت ہوا آل محمدؐ کے ساتھ ہمدردی کیسی اُن کا نام لینے کی بھی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ جو علماء۔ محدثین۔ اور مجتہدین۔ آل محمدؐ سے منسوب تھے اُنکو نکال باہر کیا اور جو بنو عباس سے وابستہ اور اُن کی سیاست سے متفق تھے اُن کو طلب کر کے بڑے بڑے عہدے دیئے گئے اور آل محمدؐ "باقر۔ صادق۔ موسیٰ" (علیہم السلام) کو مکروظلم کے ساتھ اُن کے دوستوں سے اس لئے جدا کیا کہ فاطمہ کی اولاد خلافت کی مدعی ہے انکو درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ بہرحال جب آل محمدؐ کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ان ذوات مقدسہ کو تلوار سے شہید یا مکروفریب کیساتھ قید کر کے دھوکہ سے زہر دیا گیا۔

مذکورۂ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ بنی عباس کے دور میں بھی آل محمدؐ کے ساتھ مساعدت کیسی ان کا نام بھی زبان پر لانا مشکل تھا۔

چنگیزی حملہ کے بعد طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا۔ ساتویں صدی کا یہ ہنگامہ گو ویرانہ سہی لیکن آزادیٔ فکر کیلئے ممدومعاون ضرور تھا۔ اس زمانہ میں جن علماء نے میدان میں قدم رکھا وہ متقدمین کی طرح اندھی تقلید کے پیرو اور شخصیت پرست نہ تھے بلکہ جو کچھ کیا وقت نظر سے سمجھ بوجھکر کیا۔ اور سلطان حسین بایقرا کے عہد حکومت میں جو علماء نشوونما پائے۔ جیسے "خاوندمیر یا میرخاوند" مصنف تاریخ "روضۃ الصفا" جس کا ملخص "روضۃ الاحباب" ہے انھوں نے ایک حد تک حق وحقیقت کی پیروی کی۔ اس دور کے بعد حالات نے پھر کروٹ لی اور وہی سابقہ سیاست بیجا تعصب شروع ہو گیا اور اُسی طرح حق وحقیقت پر پردے ڈالدئیے گئے۔ ہاں۔ اسی زمانہ میں بلند مرتبہ محققوں

"عثمانیہ" (ترکی) قائم ہوئی۔ اس حکومت کا دائرہ وسیع ہونا لازمی تھا کیونکہ اس خاندان کا سب سے زیادہ قابل "سلطان سلیم" "مسند خلافت ظاہری" پر بٹھایا گیا۔ وہ بھی وحدت ممالک اسلامیہ کے لئے ساعی تھا۔ افسوس کہ جو اُمور گفتگو اور فہمائش سے طے ہو سکتے تھے اُن کی جگہ جبری قوت سے کام لیا گیا۔ صد حیف کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ اس بلند اور مقبول ارادہ کا مقابلہ صحیح اور فطری طریقہ سے نہیں کیا گیا اور جس کام کی بناء جھوٹ اور تشدّد پر ہوتی ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

اُس زمانہ میں اس بڑے فاتح (سلطان سلیم) کے مقابلہ میں اُس کا حریف "شاہ اسمٰعیل" صفوی کھڑا ہوا جس کے سر میں جہانگیری کا آتش سمایا تھا۔ اس نے اپنی کامیابی کے لئے بعض وسائل اور تدبیریں اختیار کیں اور اسی ضمن میں مذہب کی آڑ لی۔ ہاں۔ ان دونوں بادشاہوں نے اپنا دائرہ حکومت وسیع اور اپنی قوت کو بڑھانے اور لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا کرنے کے لئے کلمۂ اسلام میں تفریق ڈالدی اور اپنی آرزو پوری کرنے کی خاطر تلوار کیساتھ قلم کو بھی جنبش دی یعنی اپنے مطالب و مقاصد کی خاطر کتابیں لکھیں اور لکھتے رہے۔ جانتے ہو کہ کتنے حقائق چُھپ گئے؟ کس قدر جھوٹ اور بُہتان سے کام لیا گیا۔ سیاہ کو سفید اور سفید پیشانیوں پر سیاہ داغ لگے اور بعض علماء نے اپنے شخصی اغراض کے لئے اپنے وجدان و بصیرت کو ذی اثر رؤسا کے ذریعہ بادشاہان وقت پر قربان کر دیا۔ اسی غرض شخصی اور تعصب کا یہ نتیجہ ہے کہ دین کے نام سے مجادلہ کی ہزاروں کتابیں ہمارے لئے دراثت چھوڑ گئے۔ بیشک تلوار کا زخم جینگا ہو سکتا ہے مگر زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے اُن تصانیف کی بدولت آج تک اُن کے قلموں کی نوکوں سے خون ٹپک رہا ہے اور ہماری انتہائی کوشش یہ ہے کہ علماء اسلام نے نوکِ قلم سے دلوں پر جو کاری زخم لگے ہیں اُن کو نہایت حذاقت کیساتھ مندمل کریں لیکن تم جانتے ہو کہ اس دور میں بھی حق و حقیقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

کربلا کے واقعۂ جانگداز کے متعلق ایک کتاب لکھی گئی۔ گو مصنف کا منشاء یہ تھا کہ دل سوز مصائب بیان کرے لیکن اسی کے پردہ میں یزید اور اُس کے ساتھیوں کی طرفداری کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جناب فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا اپنے فرزند (حسینؑ) کا خون آلود پیرہن ہاتھوں پر لئے ہوئے عرصۂ محشر میں تشریف لائیں گی اور جناب رب العزت پناہ سے اس ظلم کی شکایت فرمائیں گی۔ اُس وقت رسولؐ اکرم فرمائیں گے کہ "اے میری بیٹی آج شکایت کا دن نہیں بلکہ شفاعت کا روز ہے"

لہذا تمام گنہگاران امت اسی واقعہ شہادت کے ضمن میں برات آزادی لیکر بہشت میں چلے جائیں گے۔ اس پر غور فرمائیے کہ مصنف نے اسی جان سوز واقعہ کے ضمن میں شمر۔ یزید۔ عمر سعد۔ عبیداللہ ابن زیاد غرض تمام قاتلان حسینؑ کے لئے عفو بخشش کا راستہ صاف کر کے سب کو فردوس بریں میں پہنچا دیا لیکن اس بے حیا نے یہ بھی نہ سوچا کہ جن اشقیاء نے فرزند رسول مقبول اور جگر گوشہ بتول کو اس بیدردی کیساتھ کربلا کے صحرا میں شہید کیا اور فاطمہ کی اولاد کو اسیر کیا تو اُن کے لئے عفو بخشش کی جگہ ہی نہ رہی اس لئے کہ وہ ملاعین کافر ہو گئے اور کافر ہمیشہ جہنم میں رہیگا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو اس واقعہ سے پہلے اس کا ذکر سنکر مسرور تھے وہ بھی کافر اور جہنمی ہیں۔

بہرحال مجھے تو یہ بتلانا ہے کہ جسطرح آل محمدؐ کی تاریخ لکھنا چاہیئے تھا نہیں لکھی گئی۔ اگرچہ کچھ لکھا بھی تو مصنف کی نیت فاسد تھی۔ اسی بناء پر ہر دور میں آل محمدؐ کی تاریخ ذاتی اغراض اور تعصب کے پردہ میں چھپی رہی۔

میں اس مسئلہ کو اور گہری نظر سے دیکھوں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ حکومت کے قیام و دوام کیلئے کتنی بداعمالیاں ایجاد ہوئیں اور کتنوں پر عمل کیا گیا۔ اب آپ عہد بنی اُمیہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

بنی اُمیہ کے دور میں "عبداللہ ابن زبیر مدعی خلافت ہو کر عبدالملک ابن مروان کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے اور چند سال تک مکہ میں یہ لڑائی جاری رہی۔ عبدالملک نے محض اس خیال سے کہ مسلمانوں کے خیالات کعبہ سے ہٹا دے۔ "شام" میں ایک مصنوعی کعبہ تعمیر کر کے مسلمانوں کے اُس کے طواف کا حکم دیا۔ خیال فرمائیے کہ حکومت اور سلطنت کی تمنا نے کس کس طرح مذہب کو صدمہ پہنچا کر داغدار کیا۔ ایک ظالم۔ ایک ملعون۔ اپنی حکومت کو مضبوط اور برقرار رکھنے کی خاطر ارکان اسلام کے سب سے بلند اور اہم رکن کو بدلدیا۔

اب بطور مثال کے بنی عباس کا بھی کچھ ذکر سن لیجئے

جب اہل مدینہ نے "جعفر ابن منصور عباسی کی خلافت کو قبول نہ کر کے خانوادۂ (فاطمہ) زہراؑ میں سے محمد ابن عبداللہ" کی بیعت کر لی اور جعفر ابن منصور سے متعدد لڑائیاں بھی ہوئیں۔ ادھر جنگ ہو رہی تھی اور اُدھر پایۂ تخت "بغداد" میں ایک گنبد "قبۂ خضرا" کے نام سے بحکم جعفر تعمیر کیا گیا اور مسلمانوں کو روضۂ رسولؐ و کعبۂ حقیقی سے منحرف کر کے اس مصنوعی کعبہ کی زیارت و طواف کا حکم دیا گیا۔

خلفائے عباسیہ نے بھی مثل بنو امیہ کے اپنی حکومت کے بقا کے لئے آل محمدؐ کو قتل اور مسموم کیا۔ اس کے علاوہ

اسلام کے بہت سے احکام شرعیہ بھی بدل دیئے

دوسری مثال

خلفائے بنی عباس نے فضائل آل محمدؐ کی ترویج کو روکنے میں صرف کوشش ہی نہیں کی بلکہ شعراء کو انعامات دیکر اس آل پاک کی ہجو پر آمادہ کیا جس کے ثبوت میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں اور میں صرف ایک ہی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ آبان ابن عبدالحمید شاعر نے ہارون الرشید کے وزیر یحییٰ سے خواہش کی کہ اسکو کسی طرح ہارون کے دربار میں پہنچا دے تو یحییٰ نے کہا کہ "حضوری دربار کی پہلی شرط یہ ہے کہ علیؑ اور اولاد علیؑ کی ہجو کی جائے"۔ آبان نے اسکو قبول نہ کیا لیکن یحییٰ کے اصرار پر علیؑ کی ہجو لکھکر اس کے حوالہ کی اور اس کے صلہ میں ہارون نے آبان کو ندماء دربار میں شریک کر لیا۔

ان واقعات کے لکھنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ بنی امیہ و بنی عباس کے عہد حکومت میں آل محمدؐ کی زندگی اور آبرو خطرہ میں تھی۔ اور اس نسل نجیب سے تمام امت نے کنارہ کر لیا تھا جسکی وجہ سے نہایت رنج و تعب میں ان کی زندگی بسر ہوئی نہ صرف یہ کہ آل محمدؐ کی ہمدردی گناہ تھی۔ بلکہ زبان سے ان کا نام لینے والا حکومت وقت کا بڑے سے بڑا غدار۔ خائن۔ اور گناہ گار تھا۔

مؤرخین نے "خطائے بزرگان گرفتن خطاست" پر عمل کر کے بڑی غلطی کی یہ ہی اس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ظالم وخطاکار عالم اسلام میں داخل ہوگئے یا بجائے اس کے کہ ان کے حالات اور تصانیف پر نقد و تبصرہ کرتے (اس غلطی سے) ان ظالموں کو اہل حق میں شامل ہونے کا موقع دیدیا اور اس گروہ کے ہاتھوں جو زہر قاتل جماعت امت کو دیا گیا اسکو فوری نفع (تریاق) بتلا کر بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا۔ یہ مسئلہ بھی ایک مہلک مرض اور ناقابل اندمال زخم بن گیا ہے جس کے جان خراش اثرات سے عذاب میں مبتلا ہوگئے۔ اسکی صراحت کے لئے چند مثالیں پیش کرنے کی ہم معافی چاہتے ہیں۔

اسلامی مؤرخین میں طبری کو اسکی قدامت اور روایات کی کثرت کی وجہ سے تمام مؤرخین پر غیر معمولی فوقیت اور اہمیت حاصل ہے۔ اس "تاریخ" کو آپ پڑھئے تو بہت سے ظالم آپ کو اہل حق کی صف میں نظر آئیں گے۔ چنانچہ "ابوھریرہ" اور "مغیرہ ابن شعبہ" کا ذکر اس نے بہت ہی تعریف و توصیف سے کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مؤرخ مذکور نے کسی کے اعمال و افعال کی چھان بین نہیں کی اور نہ اسکو ضروری سمجھا بلکہ زمرہ صحابہ میں ان کو شمول قابل تعظیم سمجھ لیا۔ اس بندۂ عاجز کی نظر میں یہ سب سے بڑی کھلی ہوئی غلطی ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ جماعت صحابہ میں داخل ہونے

سے ایک بدعمل اصحابی بری ہو جائے اور مؤرخ کو نیک و بد کی تشخیص سے باز رکھے۔ بلکہ بدعمل صحابی سب سے زیادہ سزا کا مستوجب ہونا چاہیئے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ پیغمبر کے ازواج مطہرات کی شان میں خدا فرماتا ہے "اے رسول کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم میں کوئی گناہ کریگا تو اُسکو دوہری سزا دی جائیگی"۔ جسکا درجہ عمل جسقدر بلند ہوگا اُسکی جزا بھی اُسی عمل کے موافق ہوگی۔ لہذا نیک شمار میں اصحاب (رسول) کی پیروی اور اُن کی بداعمالیوں پر نقد و تبصرہ کرنا ہر شخص کا فرض ہے

یہ صحیح ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا "لَا تَسُبُّوا اَصْحَابِی" میرے اصحاب پر سب نہ کرو لیکن اُن کے اعمال پر نقد و تبصرہ کرنا گالی نہیں ہے۔ فقط اصحاب ہی نہیں بلکہ کسی کو بھی گالی دینا جائز نہیں ہے اور اگر تبصرہ گالی ہے تو پھر کسی کے اعمال و افعال پر بھی تبصرہ نہ کرنا چاہیئے اور ایسا عقیدہ سرتاپا لغو ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بلالحاظ کسی فریق کے ہر شخص کی بھلائی اور برائی قابل مدح و ذم ہوگی۔

ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے ابوھریرہ مستحق رحمت ضرور ہیں مگر بعد کو۔ معاویہ مروان۔ اور سب سے زیادہ شقی ترین انسان "بُسر ابن ارطاط" کے آلۂ کار بنکر ان سے جو بداعمالیاں ظاہر ہوئیں ان کی وجہ سے وہ لائق نفرین ضرور ہیں۔ کم از کم اتنا تو ماننا پڑیگا کہ نیکیوں کی جزا کے ساتھ بداعمالیوں کی سزا اُن کو یقیناً ملیگی

ہم ابوھریرہ کو صحابی رسولؐ اور بہت سے احادیث کا راوی ضرور مانتے ہیں لیکن اس کے سوا انھوں نے کیا کیا اگر نہیں جانتے تو ہم سے سنو

جبکہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینی چاہی اس بدعت پر مسلمانوں نے اعتراض کیا اور اُسکو روکنے کے لئے ہر طرح آمادہ ہو گئے معاویہ اس پر مصمم ہو گیا کہ ان پاک اعتقاد اہل مدینہ کو خوف و دہشت میں مبتلا کر کے اپنے ذاتی اغراض حاصل کرلے۔ بدترین افراد "بُسر ابن ارطاط" کو مامور کر کے مدینہ روانہ کیا تاکہ اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لے۔ بسر نے معاویہ کے حکم سے سات سو اصحاب "منکرین بیعت" کو قتل کیا اور تین سو باعصمت بیبیوں کو نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قید کر دیا اور اہل شام جوار پاک رسول کے باشندوں کے مکانات کو مسلسل تین روز تک لوٹتے رہے

اس موقع پر ابوہریرہ "بُسر ابن ارطاط" کے معین و مددگار تھے۔ اس جانگداز اور روح فرسا حادثہ سے فارغ ہو کر "بُسر ابن ارطاط" مدینہ میں ابوھریرہ کو اپنا نائب بنا کر "یمن" کو روانہ ہوا۔ اس لئے کہ وہ ان تمام بداعمالیوں

میں بُسر کے مددو معاون تھے اگر ہم اُن کی ان بداعمالیوں کو نظرانداز کردیں تو ہم بھی حق وحقانیت کو پامال کرنے والوں میں محسوب ہونگے۔ مگر ہم ابو ہریرہ پر ہمیشہ نفریں کرتے ہیں۔

یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ "زیاد ابن ابیہ" آل رسولؐ کے ایک ایک محب کو چن چن کر معاویہ کے حکم سے قتل کررہا تھا۔ اُس زمانہ میں حجر ابن عدی (صحابی رسول) کو اُن کے چند ساتھیوں کے ہمراہ معاویہ کے پاس (شام) بھجوا دیا گیا۔ ابو ہریرہ اور اُن کے ہم مشربوں نے "جو دین کو دُنیا کیلئے بیچ رہے تھے" حجر ابن عدی اور اُن کے ساتھیوں کو اس لئے مکروفریب سے قتل کرا دیا کہ وہ اہلبیت کے طرفدار تھے۔ اس بداعمالی اور مظالم میں بھی ابو ہریرہ معاویہ کے شریک تھے جو حجر ابن عدی اور اُن کے شرکا پر کئے گئے۔ اس لئے ہم ہرگز ابو ہریرہ کی بداعمالیوں سے چشم پوشی نہ کریں گے۔ چاہے تمام مؤرخین محض اس وجہ سے اپنی آنکھیں بند کرلیں کہ وہ رسول اللہ کے صحابی تھے۔

اب مؤرخین کی دوسری غفلت اور غلطی پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ ہم یہ تصوّر بھی نہیں کرسکتے کہ "مغیرہ ابن شعبہ" سے کوئی واقف نہ ہوگا۔ وہ بھی معاویہ کی بہت سی بداعمالیوں کے شریک اور معاون رہے ہیں۔ اور منابر پر حضرت علیؑ پر لعنت (نعوذ باللہ) اور ان کی اولاد کو گالیاں دیتے تھے۔ باوجود اس کے اکثر مؤرخین محض صحابیت کی وجہ سے ان کی تمام بداعمالیوں کو نظرانداز کرکے احترام کیساتھ اُن کا نام لیتے ہیں۔ رسول اللہ کے صحابی ہونا ضرور قابل تعریف ہے۔ لیکن معاویہ اور یزید جیسے بدکار کی مدد کرنا جسکی وجہ سے ایسی آگ لگی جو کبھی خاموش نہیں ہوسکتی یہ ایسا ناقابل عفو جرم ہے کہ ہم درگزر نہیں کرسکتے۔ بلکہ صحابیت کی بزرگی کے مقابلہ میں اُنکی دائمی بداعمالیاں ہماری نظر میں قابل لعن ونفریں ہیں

ہم اس مقام پر ایک اور واقعہ لکھکر مؤرخین کی غفلت اور تساہل کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں پہلا ناگوار واقعہ جنگ جمل ہے جو پیش آیا۔ جسکی وجہ سے شجر اسلام کے تنہ پر ایک کاری ضرب لگی جسکو تمام مؤرخین نے لکھکر حق وباطل ظاہر کردیا۔ اور یہ بھی ایک حد تک پوشیدہ نہیں ہے کہ اس واقعہ جانکاہ کے بانی کون تھے اور کس بناء پر اس خطرناک جنگ میں شریک ہوئے۔ مقام افسوس یہ ہے کہ مؤرخین نے واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر لکھدیا کہ حق وباطل اور ظالم ومظلوم کی تشخیص صاف طور پر نہیں ہوسکتی اور حقیقت پس پردہ ہے۔ بلکہ اکثر مواقع میں جان بوجھکر لغو اور بے دلیل عذرات کا پردہ حق پر ڈالدیا گیا۔ صد افسوس۔ تاریخ نویسی کی علت غائی چھوڑکر اُسکی اہمیت کو ہی نہیں گھٹایا بلکہ علم شریف (تاریخ) پر ایک کاری ضرب بھی لگائی۔

اس حق پوشی کی وجہ بھی یہی صحابیت ہے۔ بیشک جنگ جمل کا باعث صحابہ نہیں بلکہ صحابہ کبار ہوئے یہی وجہ ہوئی کہ اس جنگ کے جو جو قباحتیں پیدا ہوئیں اور برے نتائج نکلے ان سے آنکھیں چرا کر حق و باطل میں فرق بتلانے کی کسی نے جرأت نہ کی اور اس بے موقعہ درگزر کو عمل خیر تصور کر لیا ہماری رائے میں ایک مورخ کا صحیح فریضہ یہ ہے کہ لوگوں کو عام طور پر حق و باطل سے آگاہ کردے تاکہ دونوں میں فرق اور باہمی اختلاف کے وجوہ صاف طور سے سب پر آشکار ہو جائیں کیونکہ خطاؤں سے درگزر کرنا حاکم روز جزا کا اختیار ہے نہ کہ مورخ کا فریضہ۔

یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ رسول اکرم کی مرضی کیخلاف امت مرحومہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئی اور اس کا باعث وہی حق سے غفلت اور بے جا خاموشی تھی ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول خدا نے تفریق اور اختلاف کلمہ سے امت مرحومہ کو کس قدر منع فرمایا تھا۔

کسی قدر اور قریب سے دیکھیں

زمانہ گزشتہ میں "آج جس کے آثار کی ہم پیروی کر رہے ہیں" وہی حقدار سمجھا جاتا تھا جو قوت و قدرت رکھتا ہو۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد حکومت میں تمام ادیب اور شعرا یہاں تک کہ علما بھی ان خلفاء کے جلسوں میں شریک ہو کر غیر معمولی شان و شکوہ کیساتھ تعریف اور مدح و ثنا میں قصائد پڑھتے تھے۔ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ اس فسق و فجور کی مذمت کر کے (خلیفہ) کو ان بدعمالیوں سے روکا ہو بلکہ اس کے خلاف ہزاروں لاکھوں درہم انعام لیکر عیش و عشرت کرتے رہے۔ ان خلفاء کے درباروں کے حالات اور شعرا کے اشعار عام طور پر کتابوں میں موجود ہیں آپ ملاحظہ فرمالیں۔

اگر ان (خلفاء) کا رعب و جلال ان کے مظالم اور بدعمالیوں کے چھپانے کا باعث نہ ہوتا تو صاحبان انصاف کی نظروں میں معاویہ ابن ابو سفیان اور حرقوص ابن زہیر دونوں ایک ہی مقام پر نظر آتے لیکن اپنی قوت و قدرت کی وجہ سے معاویہ مسلمانوں کی نظر میں "خلیفہ اور امیر المومنین" بن گیا اور بد قسمت حرقوص مفلسی اور ناداری کی وجہ سے لعن و طعن کی زد میں آگیا۔ اگر وہ بھی صاحب قوت و ثروت ہوتا تو اسکی بد عنوانیاں بھی یقیناً اسی طرح چھپادی جاتیں۔

میں اس واقعہ کو اور بھی واضح کردوں

حرقوص ابن زھیر اصحاب پیغمبر میں اہل "بدر" سے تھا تمام غزوات میں شریک

ہوکر جانبازی دکھلائی۔ بدقسمتی سے جنگ صفین میں امیرالمومنین (علیؑ) کے خلاف اور جنگ نہروان میں بھی مخالفین کا شریک اور خوارج کے گروہ میں شامل رہا۔ اسی بناء پر تمام مؤرخین اس سے نفور اور اس پر لعنت کرتے ہیں۔ کسی نے اسکی صحابیت کا پاس نہ کیا درآنحالیکہ (نہروان میں) صرف ایک ہی روز لڑا اور مارا گیا۔ وہ معاویہ کہ جسکی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے اسلام کو طرح طرح کے مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جس نے اہلبیت رسولؐ پر لعن کیا۔ جس نے صحابہ کے مجمع میں مسجد رسول اور منبر پاک رسول پر بیٹھکر حضرت امیرالمومنین اور سبطین رسول (حسنین) پر "نعوذ باللہ" لعن و نفرین کی جلالت اسلامیہ کو قیصر و کسریٰ کی حکومت میں بدلدیا۔ عمار یاسر اور اویس قرنی جیسے صحابی رسول کو قتل کر دیا۔ اگر اسکی تمام بدکاریوں سے قطع نظر بھی کرلیں تو کیا صرف "حجر ابن عدی" جیسے صحابی رسول کا قتل معاویہ کو شریر۔ باغی۔ ظالم۔ اور ملعون ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے جسکی کوئی تردید کر نہیں کر سکتا۔ افسوس۔ ان بے حساب مظالم کے بعد بھی معاویہ کو امیرالمومنین کا لقب دیا گیا۔ اسکی بداعمالیاں چھپا دی گئیں۔ اور اس کے فسق و فجور کو خطائے اجتہادی بتلا کر مستحق ثواب ٹھہرایا۔ ہم ایسے مجتہد پر لعنت کرتے ہیں جس نے نور دیدہ رسول حسن مجتبیٰ کو شہید کیا۔ اور ایسے مجتہد پر تمام دنیا کی پھٹکار جسنے اپنے بیٹے یزید کو امت مرحومہ پر مسلط کیا اور کیا جو کچھ کیا۔

(عمر النسفی) اپنی مشہور کتاب عقائد نسفی میں لکھتے ہیں کہ "معاویہ کی لڑائی اور اس کے تمام افعال بد کو "خطاء اجتہادی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ حرقوص ابن زہیر کے افعال و اعمال کو کیوں اجتہاد سے نسبت نہیں دیتے تو کیا جواب ہوگا۔ اس عاجز کی نظر گاہ میں حرقوص نہ درہم و دینار رکھتا تھا اور نہ خون آشام تلوار جسکی طمع یا خوف سے اسکو سند اجتہاد دیجاتی۔ بلکہ وہ اس جاہلانہ مثل کا مصداق ہے (صاحب قوم و قبیلہ قحبہ نیز شہود)

یہ صحیح ہے کہ بنی اُمیہ کی دولت و قدرت معاویہ کی بدکاریوں اور بداعمالیوں کی پردہ دار تھی اسی وجہ سے علماء اور مؤرخین نے بھی اُس کے ان کرتوتوں کا ذکر کیا اور نہ تبصرہ۔ لیکن آج تک وہی دور رفتار دستور العمل بنا ہوا ہے۔

ان حالات کو تفصیل سے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ارباب تاریخ نے مواد تاریخی کو ظاہر نہیں کیا اور اظہار حق میں قاصر رہے لہذا آل محمدؐ کی تاریخ چھپی رہی اور جسطرح چاہئے تھا اُن کو دُنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔

اسی کو ثابت کرنے کے لئے کچھ سابقہ واقعات اور پیش کرتا ہوں

"یعقوب ابن سکیت" (عالم) المتوکل عباسی کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ خلیفہ کے دو بیٹے "المعتمد" اور "المعتز"

حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے کہا اے یعقوب میرے یہ دونوں بیٹے زیادہ شریف ہیں یا حسنؑ و حسینؑ۔ بیچارہ یعقوب نورِ ایمانی کی قوت سے فوراً کہہ دیا " واللہ قنبر غلام حسن و حسین تجھ سے اور تیرے ان دونوں بیٹوں سے زیادہ شریف تھا"۔ اس حق گوئی اور صحیح جواب کا بدلہ یہ تھا کہ خلیفہ نے جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت اسکی زبان گدی سے کھینچ لی جائے اور فوراً اسکی تعمیل ہو گئی۔ اب بتلائیے کسکی مجال تھی کہ ایسے زمانہ میں آلِ محمدؐ کا ذکر بہ زبان پر لا سکے۔ گویا کہ آفتاب حقیقت ایسے کثیف اور گہرے ابر کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔

اسی خلیفہ کا ایک اور کارنامہ

واقعہ جانسوز کربلا کے بعد مسلمان قبر مبارک (حسینؑ) کی زیارت کو جاتے تھے۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس مزار پاک کا احترام بڑھتا گیا اور مزار پاک کی تعمیر بھی کی گئی۔ جب متوکل کو اطلاع ہوئی تو محض اس خیال سے کہ لوگوں کا یہ توجہ اسکی ترقی میں مانع ہوگی اس قبر مبارک کو منہدم اور محبان اہلبیت کو زیارت سے روک دیا۔ ذرا اس پر غور کیجئے۔ وہ خلیفہ کہ جس کے قبضۂ قدرت میں اسلام کے تمام احکام ہوں ایسی بدکاریوں کی جرأت کرے تو عوام الناس کو کیا کرنا چاہیئے

جس زمانہ میں مذہب "اعتزال" شروع ہوا "مامون اور معتصم" دونوں اس مذہب کے مؤید اور پیرو تھے جب متوکل عباسی مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے لوگوں کو اس مذہب سے روکنا شروع کیا گویا اس نے سنت کی پیروی کی اسی بناء پر اسکو "محی السنۃ" کا خطاب دیا گیا۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ اس "محی السنۃ" سے دین کے خلاف کیسی بدعمالیاں ظاہر ہوئیں۔ کیا سنت کا زندہ کرنے والا (رسول کے نواسہ) حسینؑ کی مزار پاک کو مٹا کر زمین کے برابر کریگا۔ کیا ایک خلیفہ عادل محض اس گمان پر کہ لوگ اسکی شخصی سیاسی اور دنیوی امیدوں کے حاصل کرنے میں مانع اور حائل ہونگے ایسا بڑا گناہ اپنے سر لیگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حق اور حقیقت ایک بڑی قوت کے نیچے دبی ہوئی تھی لیکن تعجب ہے کہ خلفاء۔ امراء۔ مومنین۔ اور قاضی القضاۃ اس بہاؤ کے دھارے میں کیوں پڑ گئے۔

اس دعا کو ثابت کرنے کے لئے ہم نے اس تاریخی سلسلہ کو ضروری سمجھا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ تاریخ آلِ محمدؐ کو کن کن دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ صدر اسلام میں اس سلسلۂ پاک کے حقوق ان کے مراتب کے لحاظ سے نہیں بلکہ عام لوگوں کے برابر بھی ملحوظ نہ رہے کہ عوام پر کچھ ظاہر ہو سکے۔

یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ خلیفہ سوم کی رحلت کے بعد تمام اصحاب کی منت و سماجت سے امیرالمومنین (علیؑ) نے خلافت قبول فرمائی۔ سب نے رغبت اور خوشی کیساتھ حضرت کی بیعت کی جن میں اصحاب کبار کے پیشرو طلحہ اور زبیر تھے۔ تمام

اہل حجاز نے رغبت اور خوشی سے بیعت کی اور اس پیش کش (خلافت) کے قبول کرنے کا شکریہ ادا کیا۔ یہ کوئی راز نہ تھا۔ بلکہ تمام صحابہ کرام اور مومنین وہاں موجود تھے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ جمل کا جانگداز واقعہ پیش آیا۔ طلحہ و زبیر جو عشرہ مبشرہ میں تھے۔ علیؑ کی بیعت توڑ کر خلافت حاصل کرنے کی تدبیر میں بصرہ پہنچ گئے اور اس عذر سے اہل بصرہ کو اغوا کیا گیا کہ "ہم سے جبر و تشدد کیا تھا بیعت لی گئی"۔ اس گفتگو سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ (جنگ جمل پر روشنی ڈالیں) بلکہ ایک حقیقت ظاہر کرنا مطلوب ہے۔ اہل بصرہ نے ایک شخص کو اس خبر کی تصدیق کے لئے مدینہ بھیجا کہ آیا طلحہ و زبیر نے اپنی مرضی و خوشی سے بیعت کی ہے یا جبر و تشدد سے۔ طے منازل کے بعد وہ قاصد جمعہ کے روز اس شہر مقدس میں پہنچا لوگ نماز کے لئے مسجد رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں جمع تھے۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا "اے اصحاب رسولؐ۔ اے اہل بدر و رضوان۔ اور۔ اے مومنین۔ طلحہ و زبیر بصرہ میں کہہ رہے ہیں کہ "جبر و تشدد کیا تھا علیؑ کی بیعت ہم سے لی گئی" اہل بصرہ نے مجھے اسلئے بھیجا ہے کہ آپ سے اسکی حقیقت معلوم کروں۔ آپ سب اس وقت وہاں موجود تھے۔ کیا امیرالمومنین علیؑ کی بیعت جبر و قوت سے لی گئی یا اپنی خوشی و رغبت سے انھوں نے قبول کیا"۔ مسجد میں ہزاروں صحابی موجود تھے مگر ایک نے اظہار حق کی جرأت نہ کی۔ سب خاموش تھے۔ اس اثنا میں اسامہ ابن زید نے کھڑے ہو کر کہا کہ "مالک اشتر کی تہدید پر طلحہ و زبیر نے علیؑ سے بیعت کی ہے"

تعجب ہے اسامہ ابن زید نے کیوں ایسی حرکت کی۔ کیوں علیؑ کے حق میں خلافت کو جائز نہ سمجھا۔ کیوں صحابہ کی جماعت نے اس آشکار حقیقت کو چھپایا اور کیوں امت مرحومہ کے درمیان میں نفاق کا بیج بویا۔

فرض کریں کہ علیؑ رسول کے داماد اور بتولؑ کے شوہر نہ تھے بلکہ عام مسلمانوں کی طرح وہ بھی ایک اہل ایمان سے تھے کیا ایک مسلم کا حق دوسرے مسلم پر نہیں ہے۔ اس حادثہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت رسول کے حقوق صحابہ کے زمانہ میں بھی ہمیشہ معرض خطر میں رہے اس واقعہ کے بعد کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں بلکہ اسکی اہمیت خود اس کا ثبوت ہے

ہم نے یہاں تک جو کچھ حالات لکھے اور مثالیں پیش کیں اُن سے آشکار ہے کہ تاریخ کے پہلے دور اور علماء سابقین کے زمانہ میں تاریخ آل محمدؐ ادنیٰ درجہ میں محسوب نہ تھی اور اس پاک سلسلہ کے حالات اور انکی حیات طیبہ کے متعلق بھی کافی بحث نہیں کی گئی

اس حقیر کے خیال میں یہ مدعا اُسی وقت حاصل اور ثابت ہو سکتا ہے کہ

خداوند متعال کے لطف و عنایت سے آل محمدؐ کی صحیح تاریخ۔ ان کے حالات زندگی۔ اور حادثات جو اس سلسلۂ پاک پر گزرے خصوصاً امت کے ہاتھوں سے جو مظالم اور اذیتیں ان کو پہنچیں کس طرح ان کے حقوق پامال ہوئے تقلید اور

تعصب سے مبرا نہایت تحقیق کے ساتھ اس کتاب میں لکھے جائیں اسلئے کہ ہم کو واقعات بتلا کر حقیقت کا اظہار مطلوب ہے

سب جانتے ہیں کہ اس وقت امت مرحومہ محمدی دو گروہ میں منقسم ہے شیعہ اور سنی شیعوں کو آل محمد کی تاریخ سے اتفاق ہے اور سنی تفریط کی جانب ہیں سوائے اس کے برادران اسلام میں اور کوئی سبب افتراق کا نظر نہیں آتا میں اپنے دونوں بھائیوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر دونوں کی جانب اپنا ہاتھ بڑھا کر اُن کو مرکز اتحاد پر لانا چاہتا ہوں۔ اور یہ جان کر کہ ان دونوں بھائیوں میں کسی قسم کے اختلاف و افتراق کا کوئی سبب نہیں ہے دونوں متحد ہو جائیں گے۔ اگر امت میں اختلاف ضروری ہی ہے تو اہلبیت طاہرین ہی کو کیوں اس کا نشانہ بنایا جائے چونکہ آج بھی امت مرحومہ کو اہلبیت کے بارہ میں اختلاف ہے لہذا اسی نسل پاک کے مسئلہ میں اتحاد ہونا چاہیئے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ تاریخ جو تقلید اور تعصب سے پاک اور افراط و تفریط سے بری ہے۔ روحانی قوت کے ساتھ اس کا مطالعہ کر کے حق و حقیقت کو پہچانیں۔ خدا توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے

قاضی بہلول بہجت زنگازوری سنہ ۱۳۳۴ھ

اب ہم سلسلہ کے ساتھ اہلبیت کی تاریخ شروع کرتے ہیں

آل محمد سے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب نور دیدۂ رسول فاطمہ زہراؑ اور اُن کے دونوں فرزند حسنین (علیہ السلام) مراد ہیں اور بارہ امام اسی نسل پاک سے ہیں۔

ان بزرگواروں کی شان۔ ان کے حالات۔ ان کی حق تلفی اور ان پر جو تباہیاں آئیں نہایت صحت کے ساتھ اسکی تشریح اور تفصیل پیش کریں گے۔ اب ہم تبرکاً و تیمناً خاندان رسالت کی پہلے فرد اور بزرگ اہلبیت امیرالمومنین علیہ السلام سے اسکی ابتدا کرتے ہیں۔

وصی رسول خدا علی مرتضیٰ

سلام اللہ علیہم و آلہم اجمعین

خدائے بزرگ و برتر نے جب نوع بشر کو خلق فرمایا اور اسی اجنس (البشر) سے بنی آدم کی ہدایت اور راہ حق و مستقیم بتلانے کے لئے انبیاء و مرسلین مبعوث (معین) فرمائے۔ ہر ایک (نبی و رسول) نے اپنے اپنے عہد میں اپنی امت کو تبلیغ کی ان انبیاء کرام میں باہمی مناسبت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی گئی۔ حضرت خاتم انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سب سے برتر و اشرف تھے اور یہ بھی مسلم ہے کہ امت مرحومہ میں رسول خدا کے بعد سب سے افضل و اشرف فقط حضرت علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) ہیں

یہ ایک خالص مذہبی اور شرعی مسئلہ ہے کہ جس کا تعلق مذہبی اور شرعی احکام ہی سے ہوگا اور ان احکام سے کسی ایک حکم کو ثابت کرنے کے لئے جو قوانین اور اُصول مقرر کئے گئے ہیں اُن سے انکار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کو اُن کا تابع ہونا پڑیگا تاکہ اسلام میں مختلف مذاہب کے لوگ بغیر کسی اعتراض کے اسی پر کاربند رہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ ناقابل تغیر اصول و قوانین کونسے ہیں۔؟

جب کوئی اسلام کا ایک حکم ثابت کرنا چاہے تو اُس کو دلیل پیش کرنا پڑیگی کیونکہ بغیر دلیل کے دعویٰ ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔ اور احکام اسلام میں دو قسم کی دلیلیں قابل قبول ہیں۔ عقلی اور نقلی۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر نقلی دلیل نہ ہو تو محض عقلی دلیل سے اسلام کا کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر نقلی دلیل سے کوئی حکم ثابت ہو جائے تو اُس کے لئے عقلی دلیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ علی علیہ السلام تمام افراد امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل و اشرف تھے۔ اُنہی اُصول و قوانین کے مطابق محاکمہ کرنے کے لئے ہم مجبوراً مناظرہ کریں گے

ہم اس مقام پر اختصار کے ساتھ دلائل عقلیہ اور کسی قدر دلائل نقلیہ سے بحث کرتے ہیں عقل شاہد ہے کہ اس کائنات کو سمجھنے کے لئے دو ہی تصور قائم ہو سکتے ہیں۔ وجود۔ عدم۔ البتہ عقل وجود کی شرافت اور بزرگی کی شاہد ہے نہ کہ عدم کی۔ ہر وجود کی دو قسمیں ہیں۔ نامی (نشو نمو پانے والی) اور جامد (جسمیں نشو نمو نہ ہو) یہاں بھی عقل نامی کے حق میں فیصلہ کرتی ہے کہ وہ جامد سے افضل ہے۔ نامی کے بھی دو اقسام ہیں۔ حس کرنے والی اور بے حس۔ عقل کہتی ہے کہ بے حس سے حساس افضل ہے۔ حساس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عاقل اور غیر عاقل۔ ان میں عاقل کو برتری حاصل ہے۔ عاقل کے دو اقسام ہیں۔ عالم اور جاہل۔ یقیناً عقل عالم کو جاہل پر ترجیح دیگی۔

اس مقدمہ کو سمجھ لینے کے بعد عقلی تجربات و مشاہدات یہی حکم لگائیں گے کہ رسول خدا کے بعد تمام امت مرحومہ میں سب سے افضل اور علم کے لحاظ سے ان کا کوئی نظیر پیدا نہیں ہوا۔ لہٰذا ان وجوہ سے امیرالمومنین علیہ السلام سب سے افضل تھے

فضیلت کی علامتوں میں ایک علامت علم ہے جو علیؑ کے وجود شریف میں بدرجہ اتم موجود تھا اس کے بعد ہم دوسری

فضائل کا اندازہ کرتے ہیں۔ فضیلت ایسی صفت ہے کہ اس کے اسباب اور علامات کو دیکھکر حکم لگایا جاتا ہے یعنی جس میں یہ علامات پائے جائیں وہی افضل ہے۔ ورنہ فضیلت کوئی خارجی وجود نہیں رکھتی۔ منجملہ فضیلت کے اور علامتوں کے ایک علامت احسان ہے۔ عقل گواہی دیتی ہے کہ احسان ظلم سے بہتر ہے۔ دوسرے شجاعت۔ بیشک جس کے اخلاق کے فوائد عام ہوں عقل اُسی کی بزرگی کو سب پہ مقدم رکھیگی۔ چونکہ تمام امت میں ایک بھی اُن کا نظیر اور مثیل نہ تھا لہذا عقل ان تمام شاہدات اور نظائر کی بناء پر یہی تصفیہ کرتی ہے کہ تمام افراد امت میں امیرالمومنین علیہ السلام سب سے زیادہ بہادر اور محسن تھے۔ انہی وجوہ سے ان کا افضل ہونا عقلاً مسلم ہے جسکی تردید نہیں ہوسکتی۔ پس ہم یہی ایک مختصر عقلی دلیل اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سمجھتے ہیں۔

اب دلائل نقلیہ ملاحظہ ہوں

اول قرآن عظیم الشان۔ اس کے بعد وہ روایات کہ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے میں شک وتردد یا گمان بھی نہ ہو۔ ایسے احادیث کہ جن کی صحت میں کوئی تردد اور شبہ نہ ہو ملت اسلامیہ میں کسی حکم شرعی کو ثابت کرنے کے لئے عام طور پر مثل آیات قرآنی کے قابل قبول ہوتے ہیں۔ البتہ جہاں حدیث کی صحت اور عدم صحت میں اقوال مختلف ہوں ضرور دقت پیش آئیگی۔ درآنحالیکہ اس خصوص میں سینکڑوں کتابیں (علم رجال) کی لکھی گئی ہیں اور ہر ایک راوی کے حالات بھی وضاحت کے ساتھ بتلادیئے گئے ہیں۔ باوجود اس کے بہت سی جعلی حدیثیں امت مرحومہ میں موجود ہیں اور یہی فساد کا باعث ہوئیں۔

علمائے فریقین میں حدیث واخبار کی جانچ کا طریقہ بالکل ایک ہے اور ان دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ راوی حدیث عادل ہو لیکن علمائے اہلسنت تمام اصحاب رسول کو عادل اور ان کی تمام حدیثوں کو صحیح مانتے ہیں اور علمائے شیعہ کے نزدیک بعض اصحاب عادل نہ تھے اسلئے ان کی روایتوں کو قبول نہیں کرتے۔

بیشک یہ فرق بہت اہم ہے اگرچہ کہ جزئی ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ رسول خدا کے احادیث انہی اصحاب کے ذریعہ ملت مرحومہ تک پہنچے اور راوی حدیث (صحابی) کا عادل ہونا اہم شرط ہے اس کتاب کا حقیر مصنف علمائے اہلسنت کی ایک فرد ہے باوجود اس کے اغلب اصحاب کے عادل نہ ہونے کو تسلیم کرتا ہے

بطور مثال بتلاتا ہوں

علمائے اہلسنت نے مغیرہ ابن شعبہ کی روایت کو قبول فرمایا ہے اور اسی ضمن میں اُن کی عدالت کی بھی تصدیق کی ہے لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ عدالت کی پہچان کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوائے ہر راوی اُکے افعال و اعمال کے اور یہی راویوں کے عادل یا فاسق ہونے کی دلیل ہے۔

جو لوگ اسلام کے مسلّم احکام کی مخالفت کی جرأت کریں چاہے وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں اُن کا عادل ہونا کیسا بلکہ وہ فاسق اور ظالم کہے جائیں گے شہود کی چھان بین میں علمائے اہلسنت کے اقوال کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہم دیکھیں کہ مغیرہ ابن شعبہ کے عادل یا فاسق ثابت کرنے کے لئے کیا مواد ملتا ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد خلافت میں مغیرہ ابن شعبہ بصرہ کے حاکم تھے۔ قبیلۂ بنی عامر کی ایک عورت "ام جمیل" سے زنا کیا۔ چار اصحاب کیار۔ ابا بکرہ۔ نافع۔ شبل۔ اور زیاد نے شہادت دی۔ چوتھا گواہ مشتبہ کیا گیا جسکی وجہ سے رجم کی سزا نہ ہوسکی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مغیرہ نے زنا کی تھی اور خلیفہ کے حضور میں تقریباً سزائے رجم کا مستحق ہو چکا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے کتب تاریخ خصوصاً کتاب "فطرۃ الاسلام" اور ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ملاحظہ فرمائیے کہ ایسے گناہان کبیرہ کرنے والوں کی شہادت کیوں قبول نہیں کی جاسکتی اور اسی ضمن میں ان سے حدیث کی روایت نہ کرنے کی وجہ بھی صراحت کیساتھ بتلائی ہے۔

یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جب مغیرہ ابن شعبہ کوفہ کا حاکم تھا منبر پر امیرالمومنین علیہ السلام پر لعنت (نعوذ باللہ) کرتا تھا۔ مؤلف کتاب "فطرۃ الاسلام" نے مذہب شافعی کے سب سے بڑے فقیہہ علامہ ابن ابی الحدید سے روایت کی ہے کہ ایک روز مغیرہ نے مسجد میں علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین پر لعن طعن کیا۔ رسول اللہ کے بڑے صحابی سعید ابن قیس وہاں موجود تھے۔ یہ سنکر روتے ہوئے وہاں سے نکل گئے

ابو الفرج اصفہانی نے اپنی کتاب (آغانی) میں مغیرہ کی ان بدعنوانیوں کو ثابت کیا ہے اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ایک سلسلۂ روایات کیساتھ اسکی تصدیق کی ہے اور ان کے علاوہ مصنف "فطرۃ الاسلام" نے حجر ابن عدی کی شہادت کے موقع پر جو لکھا ہے ہم اُسکو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

کوفہ کا حاکم مغیرہ ابن شعبہ معاویہ کے حکم سے ہمیشہ منبر پر علیؑ اور ان کی اولاد پاک پر لعنت کرتا تھا۔ ایک روز وہ

اسی طرح کہہ رہا تھا کہ حجر ابن عدی نے اپنی جگہ سے اُٹھکر پتھر سے مغیرہ کا سر زخمی کر دیا اسی بنا پر حجر ابن عدی ہ"معاویہ"
کے ظلم اور دھوکہ سے شہید کر دیئے گئے۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ مغیرہ امیرالمومنین علی علیہ السلام پر سب وشتم کرتا تھا۔
درحالیکہ حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا۔ "مَن سَبَّ عَلِیاً فَقَدْ سَبَّنِی وَمَن سَبَّنِی فَقَدْ سَبَّ اللّٰه" اسی بنا
پر شہاب الدین الوسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "جو شخص علی ابن ابی طالب پر اُن کی حیات یا مرنے کے بعد سب وشتم
کرے وہ کافر ہے"۔

اسی طرح علامہ دمیری نے "حیاۃ الحیوان" میں اور خواجہ کلان نے "ینابیع المودۃ" میں ثابت کیا ہے ان
سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ کی بد عنوانیاں کفر کے درجہ کو پہنچ گئیں تھیں ایسی صورت میں اُسکی روایتیں کوئی سند نہ
رکھتی تھیں اور نہ وہ کسی وقت راوی حدیث ہونے کی لیاقت رکھتا تھا۔ اب ہم کسی قدر ابوھریرۃ الدوسی کے متعلق کچھ بحث کرتے ہیں

ابوھریرہ صحابی رسولؐ فتح خیبر کے وقت مسلمان ہوئے۔ چونکہ اُن کو اور کچھ کام ہی نہ تھا اسلئے ہمیشہ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت
میں بسر کرتے تھے۔ چونکہ حضرت رسولؐ اُن کے باطن سے بخوبی واقف تھے آپ نے اُن سے فرمایا " (زُرنی غِبّاً تَزدَد حُبّاً)
یعنی ہر روز نہ آؤ کہ محبت زیادہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابوھریرہ کے دل میں محبت نہ ہونا رسول اللہ کو بخوبی معلوم تھا۔ ہمارا
مقصد اظہار محبت یا انکار محبت نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ جس نے سب سے زیادہ احادیث رسول اللہ سے نقل کئے یہ
وہی ابوہریرہ ہیں کہ جن کے منقولہ احادیث علمائے اہلسنت کے پاس مقبول ہیں۔ یہ حقیر بھی علمائے اہلسنت ہی سے ہے مگر ابوھریرہ
کے افعال و اعمال کو اُن کی عدالت کے منافی جانتا ہے۔ اس مقام پر ابوھریرہ کے چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

صحیح سند سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا "میری اُمت میں پہلا مفسد بنی اُمیہ سے ایک شخص ہوگا"
ابوھریرہ "معاویہ" کے مفاسد کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ اُس کے مظالم کے طرفدار رہے اور امیرالمومنین کے حق
وحقیقت کو مانتے ہوئے اُن سے کنارہ کرتے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ ظلم اور عدل ایک جا جمع نہیں ہوسکتے۔ ابوھریرہ نے
عدل سے دوری اختیار کی

دوسری مثال

جب معاویہ اپنے بیٹے "یزید کی بیعت لے رہا تھا۔ اہل حجاز خصوصاً اصحاب مدینہ نے اس خیانت و بدکاری
پر اعتراض ہی نہیں بلکہ بیعت سے انکار کر کے حق کی پیروی کا ثبوت دیا۔ معاویہ نے محض اہل مدینہ کو خائف کرنے کی غرض

سے شمر ربد کا بسر ابن ارطاط کو مدینہ بھیجا۔ بسر نے سات سو اصحاب رسول کو قتل کیا اور تین سو مخدرات اسلامی کو قید کر کے حکم دیا کہ ان کو ذلت و خواری کے ساتھ بردہ فروشوں کے عام بازار میں بٹھا کر فروخت کر دیا جائے

اہلسنت کے بڑے علماء "مصنف آغانی" "ابوالفرج جوزی" "عقد الفرید" کے مصنف جاحظ اور مورخین میں ابن خلدون۔ ابن خلکان۔ تاریخ کبیر طبری۔ ابن ابی الحدید۔ علامہ عینی۔ علامہ دمیری۔ اور مصنف "فطرة الاسلام" اس جانگداز واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان سب نے بسر ابن ارطاط کے ساتھ ابو هریرہ کی شرکت کی بھی تصدیق کی ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان تمام بداعمالیوں کے بعد بسر ابن ارطاط نے معاویہ کے حکم سے یمن جانے کا قصد کیا تو اپنی جانب سے ابو هریرہ کو مدینہ میں نائب قرار دیا

معلوم ہوتا ہے کہ صحابی رسول ابو هریرہ نے ایک زمانہ میں معاویہ اور بسر ابن ارطاط کی ملازمت اختیار کر کے اہل مدینہ کو خوف و دہشت دلائی۔ درآنحالیکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا "من اخاف اهل المدینة اخافه الله و لعنه و لا یقبل منه عدل و لا صرف" یعنی جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے خدا اُسکو ڈرائے اُس پر لعنت کرے اور اس کا کوئی عمل (خیر) قبول نہ ہوگا

اب میں کہتا ہوں کہ ابو هریرہ بسر ابن ارطاط کے ساتھ تھے اُن کی مدد کی جنھوں نے اہل مدینہ کو دہشت دلائی اور ظلم کرنے میں شریک رہے ایسی صورت میں ابو هریرہ عادل نہیں ہو سکتے اور اُن کی روایتیں صحیح و قابل اعتماد نہیں ہیں

دوسرے ان کا وہی قول کہ "الصلوة خلف علی اتم و السماط معاویة ادسم" ۔ علی کے پیچھے نماز کامل ہوتی ہے اور معاویہ کا دسترخوان طرح طرح کی غذاؤں سے رنگین ہے۔ [illegible] علی حق پر ہیں اور باوجود دسترخوان کی وسعت کے معاویہ حق پر نہیں ہے ابو هریرہ باطل کی طرف جاتے ہیں یہ [illegible] عدالت سے

ان اعتراضات سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ محض صحابی ہونا اسکی دلیل نہیں ہے [illegible] تمام روایات درجۂ قبولیت حاصل کر لیں بلکہ ایسے بھی لوگ موجود ہیں کہ سلسلۂ صحابیت میں ہونے کے باوجود اُن سے ایسی بداعمالیاں سرزد ہوئی ہیں جو عدل اور حقانیت کے خلاف تھیں۔

ہم نے کہا ہے کہ پہلی دلیل نقلی قرآن عظیم الشان اور دوسرا احادیث رسول خدا ہیں۔ کلام مجید کے وہ آیات جو حضرت امیرالمومنین کی شرافت اور فضیلت پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے صرف دو جملوں (آیات) پر اکتفا کریں گے

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" (صدق اللہ العلی العظیم) تمام امت مرحومہ اس پر متفق ہے کہ یہ آیت آل عبا کے پانچ بزرگواروں پر نازل ہوئی۔ جن میں پہلے امیرالمومنین علی علیہ السلام ہیں۔ اب ہم غور کریں کہ اس آیہ شریفہ سے امیرالمومنین کا کونسا شرف اور بزرگی ظاہر ہو رہی ہے۔ عصمت ہی ایسا شرف ہے جو عام طور پر بنی نوع انسان میں نہیں پایا جاتا۔ ملائکہ معصوم ہیں مگر اُن کی خلقت ہی ایسی ہوئی ہے کہ وہ گناہ کر نہیں سکتے اس لئے ان کی عصمت کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن بنی نوع انسان کی عصمت ایسی نہیں ہے۔ اور یہ آیہ شریفہ آل عبا کی عصمت پر دلالت کر رہی ہے جن میں ایک امیرالمومنین ہیں۔

چونکہ اس آیہ شریفہ نے آل عبا سے تمام گندگی اور گناہ کو دفع کیا ہے نہ یہ کہ گناہ صادر ہونے کے بعد اُن کے گناہوں کو معاف کیا ہو لہذا کسی قسم کے گناہ اور معصیت کا اُن تک گذر ہی نہیں ہے لہذا سوائے ان پانچ ذوات مقدسہ کے یہ فضیلت اور کرامت کسی نوع بشر کو میسر ہی نہ ہوگی

ملاحظہ فرمایئے کہ امت مرحومہ میں سوائے آل عبا کے کوئی ایسا پیدا ہوا کہ اُسکو یہ شرف حاصل ہوا ہو۔ بیشک نہیں ہوا۔ اگر کسی کو ایسا دعویٰ ہو تو ثبوت کے لئے دلیل پیش کرنا ہوگی۔ جیسا ہم نے سابق میں عرض کیا ہے کہ امت اسلامیہ میں امیرالمومنین علی علیہ السلام ہی سب سے افضل و اشرف تھے بغیر کسی تردید کے عقل اسکو تسلیم کر رہی ہے اور دلیل نقلی سے بھی ہم نے ثابت کر دیا کہ بنی نوع انسان میں عصمت وطہارت وہ صفات ہیں کہ امت محمدی میں رسول اللہ کے بعد اُن کے اہلبیت علی۔ فاطمہ۔ اور۔ حسنین (علیہم السلام) ان صفات سے مخصوص ہیں۔

دوسری آیت

"قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ" تمام علماء اسلام نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ خدائے عزوجل اس آیت میں حکم فرماتا ہے کہ "کہو (اے محمدؐ) میں نبوت کی خدمت کے عوض میں کوئی مزدوری نہیں چاہتا" "مگر" صرف میرے ذوی القربیٰ کی محبت جو ہر فرد مسلم کے اہم ترین فرائض سے ہے۔ اور سب امت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ کے ذوی القربیٰ علی۔ فاطمہ اور حسنین (علیہم السلام) ہیں۔ جن کی مودت و محبت مومنین کے لئے واجبات دین سے ہے البتہ وہ تمام افراد اُمت سے اشرف و برتر ہونا چاہیئے۔ چونکہ علی علیہ السلام پر کسی کی محبت و مودت لازم نہیں ہے اور ان کی محبت حسب آیت قرآنی تمام افراد اسلامی پر لازم و واجب ہے اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام تمام امت سے افضل ہیں

یوں تو حضرت علیؑ کی فضیلت میں بہت سی آیات قرآنی موجود ہیں جن سے صاف طور پر آنحضرت کی شرافت و بزرگی ثابت ہو رہی ہے لیکن ہم نے صرف ان ہی دو آیات کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا۔ یہی اکتفا ہے

اب ہم احادیث پیش کرتے ہیں جن سے نیز حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت تمام امت پر ثابت ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنا مطلب واضح کرنے کے لئے تمام احادیث جمع کریں تو کئی جلدوں کی ضرورت پڑے گی لہذا صرف چند احادیث پر اکتفا کرتے ہیں

یہاں ہم وہی احادیث لکھیں گے جو فریقین کے نزدیک مسلمہ ہیں اور جن میں کسی طرح کی تاویل اور جرح کی گنجائش نہیں ہے بلکہ تمام فرق اسلامیہ انکی صحت پر متفق ہیں۔

حدیث "ثقلین" - تمام راویان حدیث خصوصاً - بخاری، مسلم، احمد، ابن عباس - مالک بن انس - نے ان کی صحت کو تسلیم کرکے لکھا ہے سلسلہ رواۃ کو چھوڑکر صرف متن حدیث تبرکاً لکھتے ہیں۔ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ"

"انی تارک فیکم الثقلین ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی احدہما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اہل بیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیہما"

یعنی تم میں دو بڑی قابل قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان دونوں سے تمسک کرو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ان دو میں ایک قرآن مبین خدائے ذوالجلال کی جانب سے اس کے بندوں کے لئے مستحکم رسی (وسیلہ) ہے دوسرے میری عترت اور اہلبیت ہے یہ دونوں "یعنی کلام خدا اور عترت رسولؐ" ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ان دونوں کی بزرگی کو کس طرح سے ملحوظ رکھا ہے۔

تمام امت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ عترت جسکو رسولؐ خدا نے بطور امانت کے اپنی امت کے سپرد فرمایا فقط علیؑ۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین علیہم السلام ہیں۔ راوی حدیث (ابن حبان) کہتے ہیں کہ "میں اور حصین نے زید بن ارقم سے سوال کیا کہ کیا رسولؐ کے ازواج مطہرات بھی عترت میں داخل ہیں یا نہیں" زید ابن ارقم نے کہا نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ ہر شخص اپنی زوجہ کو طلاق دیکر جدا کر سکتا ہے۔ پس زوجہ اپنے باپ کی عترت میں داخل ہو سکتی ہے" اب بتلائیے کہ حضرت علیؑ کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے حدیث کس قدر اثر انداز ہو رہی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ ایک عاقل و دانا شخص جب کسی سفر کا ارادہ کرتا ہے تو ان ہی امور کے متعلق وصیت کرتا ہے جو اہم ہوں اور جن سے اسکو تعلق ہو۔ اسی طرح رسولؐ خدا نے اپنی رحلت کے موقع پر دو اہم اور بزرگ چیزیں عترت اور کلام اللہ اپنی امت میں بطور امانت کے چھوڑیں۔

کیا یہ کام رسول اکرمؐ نے اپنی طرف سے کیا تھا یا خدا کے حکم سے لوگوں تک پہنچایا ہے جب کہ آپ نے اپنی ذات شریف سے نہیں فرمایا بلکہ خدا کے حکم سے تبلیغ کی۔ کیا خدا اور رسول سے بڑھ کر زیادہ کوئی اور بزرگ ہے جس کو امت کی اور امانت کے سپرد کریں یا اسکے خلاف؟ معمولی و ... رسول اکرمؐ ... ہرگز ... نہیں فرمائیں گے۔ اس صورت میں وہی چیزیں بزرگ ہونگی کلام اللہ اور عترت ... اور یہ دونوں رسول خدا ... سے زیادہ عزیز اور سب سے افضل ہونگے۔

اس حدیث میں درست موجود ہے کہ یہ دونوں امانتیں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی یعنی جس جگہ خدا کا کلام ہوگا اہلبیتؑ کرام کی عزت اور انکی اطاعت لازمی ہوگی۔ اور جہاں اہلبیتؑ کی عزت اور مودت نہ ہو وہاں خدا کا کلام بھی مفقود ہوگا۔

مثلاً جب معاویہ ابن ابی سفیان نے حضرت علیؑ سے بغاوت اور سرکشی کی۔ اُسی کے مثل باغی لوگ اُس کے اطراف جمع ہوئے اور بڑے بڑے مفاسد پھیلائے اور جب جنگ صفین میں مغلوب ہوئے تو کلام الٰہی کو نیزوں پر بلند کر کے امیرالمومنینؑ کی سپاہ سے کہا کہ "ہم تم کو اس کلام خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں"۔ بدبخت بھول گئے کہ رسولؐ خدا کی عترت کو چھوڑ کر قرآن لینا مشکل ہے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ "یہ دونوں امانتیں قیامت تک جدا نہ ہونگی" صفین میں (عترت رسولؐ علی حسن اور حسینؑ (علیہم السلام) پر تلواریں اٹھائیں اور قرآن کے احترام کا دعویٰ کریں

حدیث صاف طور سے کہہ رہی ہے کہ یہ دو امانتیں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی جہاں خدا کا کلام ہوگا اہلبیت کی مودت اور ان کی عزت اور اطاعت بھی وہاں لازم ہوگی اور جہاں اہلبیت کی عزت و حرمت نہ ہو بلاشبہ وہاں خدا کے کلام کا احترام مفقود ہوگا۔

اس سے زیادہ بعض ملاؤں کے حرکات قابل تعجب ہیں کہ معاویہ کے مظالم۔ خیانتیں۔ بدکاریاں۔ یہانتک کہ اُس کے ارتداد آمیز اقوال و افعال کو واعظ عذرات کیسا چھپایا ہے۔

معاویہ نے تو دنیا کی خاطر خیانت اور بدکاری اختیار کی لیکن ان ملاؤں نے اس طرح کھلے ہوئے حق سے انکار کیا اُن کی نسبت کیا کہا جائے۔

حدیث غدیر الخم

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ

مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ) اُمّتِ اسلامیہ کے تمام علماء خاص ہوں یا عام سب اس حدیث شریف کے مقر اور معترف ہیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت رسولؐ خدا نے جب غدیرِ خم پر نزول اجلال فرمایا حسب الحکم اونٹوں کے کجاوؤں سے حضرت کے لئے منبر بنایا گیا اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی گفتگو کا موضوع بہت بلند اور اہم تھا۔ لوگ بھی کثرت سے جمع تھے۔ جب منبر تیار ہو گیا حضرت اُس پر رونق افروز ہوئے اور زبانِ مبارک سے یہی حدیث ارشاد فرمائی جس کے معنی یہ ہیں کہ "جس کا میں مولا اور اولی بالتصرف ہوں علیؑ بھی اُس کے مولا اور اولی بالتصرف ہیں" اے خداوند تبارک و تعالیٰ تو بھی اُسکو دوست رکھ جو اُسکو "علیؑ" دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس شخص کو جو اسکو "علیؑ" کو دشمن رکھے۔ ہم یہاں چند اصحاب کبار کے نام تیمناً لکھتے ہیں جنہوں نے رسول خداؐ کی زبان مبارک سے یہ حدیث سنی اور اُس کے مقر ہیں زید خزیمہ ابن ثابت۔ سہیل ابن سعد۔ عدی ابن حاتم عقبہ ابن عامر۔ ابوایوب انصاری۔ ابوالہیثم ابن تیہان۔ عبداللہ ابن ثابت۔ ابویعلی الانصاری۔ نعمان ابن عجلان الانصاری۔ ثابت ابن ودیعہ الانصاری۔ ابوفضالۃ الانصاری۔ عبدالرحمٰن ابن عبدالرب۔ جنیدہ ابن جندع۔ زید ابن ارقم۔ زید ابن شراحیل۔ جابر ابن عبداللہ انصاری۔ عبداللہ ابن عباس۔ ابوسعید خدری۔ ابوذر جبیر ابن مطعم۔ حذیفہ ابن یمان۔ حذیفہ ابن اسید۔ سلمان فارسی نے روایت کی ہے۔ اِس حدیث کو ان اصحاب کبار کی روایت کرنے کے متعلق "علامہ اثیر الدین" نے اپنی مشہور تصنیف "اسد الغابہ" جلد سوم کے صفحات (۴۷ - ۳۰۷ - ۳۲۱) اور جلد اول کے صفحہ (۳۰۸) اور جلد ہشتم کے صفحہ (۲۸۳) پر یہی حدیث نقل کی ہے۔ ان کے علاوہ مصنفِ "سیرۃ الحلبیۃ" نے جلد سوم کے صفحہ (۴۰) اور صاحب ینابیع المودۃ اور صواعق محرقہ نے بھی روایت کی ہے اور تمام اہل صحاح نے تسلیم کر کے لکھا ہے خصوصاً بخاری، مُسلم، نسائی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ احمد ابن حنبل حاکم وغیرہ نے

اس حدیث کی تشریحات میں کسی قدر غور کریں

کیا رسول اللہؐ نے اس اہم کام کو اپنی خواہش نفس سے انجام دیا یا خدا کے حکم سے۔ سوائے حکم خدا کے رسولؐ خدا اپنی خواہش نفس سے کوئی حکم جاری نہیں فرماتے تھے۔ ایسے صورت میں یہ حکم بھی خدا کے ارشاد سے ہونا چاہیئے۔ آیا خدا اور رسولؐ نے کسی حکمت اور مصلحت کے تحت یہ حکم جاری فرمایا یا بغیر حکمت و مصلحت کے۔

بونیک احکام الٰہی حکمت اور مصلحت سے جاری ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ حکم بھی کسی اہم مصلحت سے جاری ہوا ہے۔ اگر اس حکمت کو حضرت امیرالمومنین علی علیہ السّلام کی محبت و مودت پر منحصر کریں تو یہ انحصار حقیقی نہ ہوگا اس لئے کہ اُن حضرت کی محبت و مودت آیت " قُل لا اسئلکم علیہ اجراً " میں خدا کی جانب سے بصراحت ہو چکی ہے اور رسول خدا کے بہت سے احادیث اس آیۂ مبارک کی توضیح بتفصیل میں موجود ہیں۔ انہی احادیث کے ذریعہ سے اہلبیت کی محبت و مودت تمام افراد امت پر روشن اور واضح ہوگئی۔ یہ حدیث شریف (غدیر) سوائے محبت و مودت اہلبیت کے کسی دوسرے اہم عمل کی جانب رہنمائی کر رہی ہے جیسا کہ اس حدیث شریف کے الفاظ اور قرائن سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت رسولؐ لہٰذا تمام اُموں میں اُمت کے جسطرح ولی تھے اُسی طرح حضرت علیؑ بھی اُمت کے ولی ہیں چونکہ حضرت رسولؐ اکرم نے حدیث کی ابتداء میں فرمایا " السّت بالمومنین اولیٰ من انفسھم " کیا میں مومنین کے لئے اُن کے نفوس (جان و مال) سے زیادہ عزیز و گرامی نہیں ہوں اور اسی حدیث کے آخر میں " من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ " جس کا میں ولی ہوں علیؑ بھی اس کے ولی ہیں پس اس حدیث شریف سے رسول اللہ کا مقصد صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ علیؑ کو اُن پر ولی قرار دے رہے تھے جن کے آپ ولی تھے۔

اسی حدیث سے مسئلہ خلافت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حدیث منزلت :۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :۔ " یا علی انت منی بمنزلت ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی " یہ حدیث بھی تمام فرق اسلامیہ کی مقبولہ ہے۔ تمام رواۃ حدیث نے بغیر کسی تردد کے روایت کی ہے۔ جیسے صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ترمذی۔ حاکم۔ نسائی۔ ابن ماجہ خصوصاً سنی اور شیعہ کے فقہا کی کتابوں میں اسکی صحت ثابت کی گئی ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے " یا علیؑ تم مجھ سے ایسی ہی نسبت رکھتے ہو جیسی ہارون کی موسیٰؑ سے تھی۔ بغیر کسی تردد و تاویل کے اس حدیث سے علیؑ کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی امت میں حضرت ہارونؑ کے برابر کوئی نہ تھا اسی طرح امت رسولؐ خدا میں کوئی پیدا نہیں ہوا جو فضیلت میں علیؑ کے مساوی اور مقابل ہو۔ چہ جائیکہ اُن سے افضل ہو یا علیؑ پر اسکو ترجیح دی جاسکے

حدیث طیر۔ قال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ " اَللّٰھُمَّ ائتِنی بِاَحَبِّ خَلقِکَ اِلَیَّ وَ اِلَیکَ حَتّیٰ یَأکُلَ مَعِی مِن ھٰذَا الطَّیر۔ فَجَاءَ عَلِیٌّ فَاَکَلَ مَعَہٗ "۔ اس حدیث کو تمام جامعین صحاح نے

لیکر روایت کی ہی۔ سب نے اس حدیث کا اقرار اور تصدیق کی ہی جسکی تفصیل یہ ہے۔ ایک رُوز ایک عورت نے ایک بھنا ہوا مرغ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے قبول فرمایا۔ کھانے سے قبل حضرت نے درگاہ بے نیاز میں دعا کی کہ پروردگارا تو اپنے بندوں میں سے ایک ایسے شخص کو بھیج کہ جو تیرا اور میرا محبوب ہو تاکہ وہ اور میں دونوں یہ بھنا ہوا مرغ کھائیں۔ اسی اثناء میں علیؑ آئے اور دونوں نے ملکر تناول فرمایا علما و اسلام میں کوئی ایسا نہیں ھی جس نے یہ حدیث نہ لکھی ہو چاہے سنی ہو یا شیعہ۔

اس حدیث کو ثابت کرنے کے لئے کوئی تردد نہیں ہے۔ البتہ مطلب کو واضح کرنے کے لئے چند نکات ملاحظہ ہوں۔ کیا خدا نے رسولؐ کی دعا قبول فرمائی یا رد کر دی گئی۔ یقیناً خدائے متعال اپنے رسولؐ اکرم کے خواہشات کو ہمیشہ قبول اور ان کی دعا کو مستجاب کرتا ہی لہذا خدائے تبارک وتعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسولؐ کے محبوب ترین شخص کو مرغ بریاں کھانے کے لئے اپنے پیغمبر کے پاس بھیجا اور وہ حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ تھے۔ ہم پھر کر سوال کرتے ہیں کہ کیا خدا و رسولؐ کا محبوب ترین شخص تمام افراد امت سے افضل ہوگا یا مفضول۔ بیشک افضل کو چھوڑ کر مفضول کو تمام مخلوقات پر ترجیح دینا نہ حکمت خداوندی کے لئے مناسب اور نہ شان نبوت کے لئے سزاوار ایسی صورت میں جو خدائے ذوالجلال اور رسول اکرم کا محبوب و محترم ہو تمام مخلوقات سے افضل اور اشرف ہوگا لہذا علیؑ افضل مخلوقات تھے۔

حدیث المواخاۃ۔ امام احمد ابن حنبل نے زید ابن ابی اوفی سے۔ صاحب مشکواۃ نے ابن عمر سے۔ ترمذی نے ابن ابی اوفی سے۔ عبداللہ ابن حنبل نے سعید ابن جبیر سے۔ احمد نے حذیفہ یمانی سے۔ موفق نے جابر ابن عبداللہ سے۔ حموینی نے ابن عباس سے عکرمہ نے ابن عباس اور زید ابن ارقم و سعید ابن مسیب و ابی امامہ سے" ابن اثیر" نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور علمائے شیعہ و سنی نے "حدیث مواخاۃ" کے نام سے اسکو قبول کیا ہی۔ صاحب "مشکواۃ الانوار" اور اسی طرح "شیخ اکبر محی الدین عربی نے بھی اپنی کتاب میں اسکی تصدیق کی ہے۔ یہانتک کہ امت اسلامیہ کے کسی ایک فرد نے بھی اسکی تردید نہیں کی۔

حدیث کے معنی

جب رسولؐ خدا اصحاب کے درمیان میں رشتہ برادری قائم فرما رہے تھے علیؑ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ آپ نے سب کے درمیان میں رشتہ برادری قائم فرمایا لیکن کسی کو میرا بھائی قرار نہیں دیا۔ حضرت نے فرمایا

"یا علیؑ تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی"۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "یا علی انت اخی فی الدنیا والآخرۃ وانت وصی وانت منجز وعدی ومقضی دینی"۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یا علیؑ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ تم میرے وصی ہو۔ تم میرے وعدوں کو وفا کرنے والے اور میرے قرض کے ادا کرنے والے۔ اب ہم اس حدیث سے علیؑ کی فضیلت پر بحث کرتے ہیں۔ کیا رسولؐ خدا نے یہ صیغہ اخوۃ اپنی خواہش نفس سے جاری فرمایا یا خدا کے حکم سے۔ ظاہر ہے کہ حکم خدا سے کیا۔ اسلئے کہ پیغمبر کا کوئی فعل بغیر حکم خدا کے نہیں ہوتا جس پر "ان ھوا لا وحی یوحی" آیت قرآنی گواہ ہے۔ آیا خدا و رسول جبکہ اصحاب کے درمیان میں بھائی چارہ قائم فرما رہے تھے جس شخص کو اپنی برادری کے لئے رسولؐ نے منتخب فرمایا وہ تمام امت سے افضل اور اشرف ہوگا یا نہیں۔ کیونکہ جب رسولؐ خدا نے نہایت غور و فکر کے ساتھ اصحاب کے درمیان میں برابری و مساوات ملحوظ رکھکر اُسی لحاظ سے ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ لہٰذا اس صورت میں بھی "علیؑ" افضل امت ہونا چاہیئے۔

حدیث العلم

"در کست این سخن گفت پیغمبر امت — منم شہر علم و علیم در است"

تمام علماء میں کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا جو اس حدیث کی صحت سے انکار کرے۔ جبکہ یہ تمام مسلمانوں کی مقبولہ ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہے کہ علیؑ امر فضیلت کے حامل تھے۔

ہم اس پر یوں بھی غور کریں" رسولؐ خدا فرماتے ہیں "میں شہر علم ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ"۔ رسول اللہ کے اس ارشاد سے کیا سمجھا جائیگا اور اس سے حضرتؐ کا کیا مقصد تھا۔ ہاں ہم کو معلوم ہے "جب کوئی شخص کسی شہر میں داخل ہوتا ہے تو اُس شہر کے مقررہ و معینہ دروازہ ہی سے داخل ہوگا اگر اس کے خلاف کرے تو اس نے احکام نافذہ کی خلاف ورزی کی۔ اسی طرح تمام مسلمان اپنے دین و دنیا کی آبادی کے لئے رسولؐ کے علم و حکمت کے محتاج ہیں اور اس شہر رحمت کے دروازہ کی کنجی علی ابن ابیطالب ہیں۔ ایسی صورت میں اگر کوئی رسول کے علم و حکمت سے استفادہ کرے تو اوسکو چاہیئے کہ علیؑ کو واسطہ قرار دے۔ اس لئے کہ ایک بڑے شہر میں اُس کے مقررہ اور معینہ راستہ کیخلاف داخل ہونا عقل اور سمجھ کیخلاف ہے اور اسی معتبر حدیث کے مطابق علیؑ کو بغیر واسطہ بنائے ہوئے حکمت و شریعت محمدی سے استفادہ کرنا خلاف علم و حکمت ہوگا یہ ایسا اٹل قانون ہے کہ اس کیخلاف کوئی عقلی اور نقلی دلائل صحی نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں کسی کو انکار کی مجال نہیں ہے کہ تمام

سلمانؓ "علیؑ" کے علم و حکمت کے محتاج ہیں۔ وہ تمام شریعت محمدیؐ کے منبع اور معارف الٰہیہ کے معدن ہیں۔ (انہی سے شرع و معرفت کے احکام لینے چاہئیں)

حدیث ضربت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ضَربَۃُ عَلِیٍّ فِی یَومِ الخَندَقِ اَفضَلُ مِن عِبَادَۃِ الثَّقَلَینِ اِلیٰ یَومِ القِیٰمَۃ۔ خندق کی جنگ میں علیؑ کی ایک ضربت "روز قیامت" تک تمام جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تمام جن و انس کے اعمال (صالحہ) ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور علیؑ کے تمام اعمال "صالحہ" سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف یہی ایک ضربت کی جزا ایک پلڑے میں۔ خدا و رسولؐ کے پاس اس ایک ضربت کی جزا اُن تمام جن و انس کے اعمال سے زیادہ ہوگی اگر اس حدیث کے معنی میں کسی قدر غور و تامل کریں تو اسکی صحت اور استواری بغیر کسی تردید کے ظاہر ہو جاتی ہے۔ باوجود اس کے ہم تھوڑی سی توضیح بھی کر دیں۔

خندق کی جنگ جس کا ذکر قرآن مجید میں "احزاب" کے نام سے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قریش نے تمام قبائل مشرکین کو اپنے ساتھ متفق کر کے رسولخدا کے ساتھ جنگ چھیڑ دی۔ زمانہ کی مساعدت سے قریش نے کافی سپاہ جمع کر لیا اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہو گئے۔ حضرت رسولؐ نے اس قوی اور مستعد سپاہ کے مقابلہ کے لئے یہ تدبیر فرمائی کہ شہر مدینہ کے اطراف خندق کھدوا دی۔ کفار کی سپاہ میں نامور پہلوان اور مشہور جنگجو تھے۔ جن میں سب سے زیادہ بہادر اور جری عمرو ابن عبدود تھا۔

عمر ابن عبدود گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے پار آ گیا اور اسلامی سپاہ کے مقابلہ میں آ کر مبارز (اپنا مقابل) طلب کیا۔ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہم السلام نے پیغمبر اکرم سے مقابلہ کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اصحاب کے امتحان کی خاطر اجازت نہیں دی۔ عمرو ابن عبدود نے مکرر مبارز طلب کیا۔ سب اصحاب خاموش تھے۔ علیؑ نے پھر اجازت چاہی اور اُسی وجہ سے پیغمبر اکرم نے منع فرمایا۔ اُس وقت عمرو ابن عبدود نے اصحاب کو شرم دلاتے ہوئے حقارت آمیز لہجہ میں رجز شروع کی۔ اب علیؑ کو حضرت رسولؐ سے اجازت ملی۔ امیر المومنین نے رسول اللہ کا عمامہ مبارک سر پر رکھا حضرت کی تلوار زیب کمر فرمائی اور اس کوہ پیکر کے مقابلہ کے لئے چلے۔ رسول اللہ نے فرمایا "الآن قابل الایمان بالکفر" اور ادھر ایمان و کفر کا مقابلہ ہوتے ہی شیر خدا نے عمرو ابن عبدود کو پچھاڑ کر قتل کر دیا اور ایمان کفر پر غالب آ گیا

بیشک ۔ اگر علیؑ کی یہ ضربت نہ ہوتی تو عمر ابن عبدود کے حملہ سے دین اسلام کی بنیاد اکھڑ جاتی اور ثقلین کی عبادت کا نشان بھی باقی نہ رہتا ! اسلئے مسلمان علی علیہ السلام کو دوسرا بانیٔ اسلام سمجھتے ہیں اور یہ بالکل حق ہے لیکن ہزارہا افسوس بلکہ لاکھہا افسوس کہ امت مرحومہ میں بالکل برعکس ہوگیا اور اسی کی بدولت بہت سے منحوس نتائج رونما ہوئے ۔ تعجب ہے کہ یہ افسوسناک حالات کیوں پیش آئے ۔ علاوہ ان احادیث کے جو ہم نے اس کتاب میں لکھے ہیں سینکڑوں معتبر احادیث موجود ہیں جن کی صحت پر تمام علمائے اسلام نے مہر تصدیق ثبت کی ہے اور اُن پر کامل بھروسہ کیا ہے ۔ لیکن کسی نے اُن کا ذکر کیا اور نہ اُن سے ثابت کرنا چاہا ۔ ہم اُن تمام احادیث و آیات کو شمار کرانا نہیں چاہتے بلکہ تمام امت مرحومہ پر اس ذات مقدس (علیؑ) کی فضیلت ثابت کرنا مقصود ہے ۔ اگر ہم حضرت امیرؑ کی شان ۔ شرف ۔ منزلت اور معجزات ثابت کرنے کے لئے تمام آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پیش کرنا چاہیں تو قاموس اللغت اور قاموس الاعلام کے مثل ضخیم کتب بھی کافی نہ ہوں گے بلکہ قاموس العلم اور دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کے برابر کی جلدیں ہو جائیں گی اور اس کتاب کا نام "البحر الزاخر فی خرز الجواہر" رکھنا ہوگا مگر اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل تحریر کافی سمجھتے ہیں ۔

احمد ابن عبد ربہ اہلسنت کے معروف علماء اور مشہور فضلاء سے ہیں ۔ اپنی تصنیف "عقد الفرید جلد سوم فصل فی احتجاج مامون مع علماء بغداد فی تفضیل علی ابن ابی طالب علیہ السلام" میں لکھا ہے کہ "خلیفہ عباسی مامون نے تمام علمائے بغداد پر ثابت کر دیا کہ علی علیہ السلام تمام افراد امت سے افضل تھے" اور اسی سے استدلال کرتے ہوئے مامون اور علماء کی پوری گفتگو لکھی ہے جسکو ہم الفاظاً نہیں بلکہ معناً ذیل میں نقل کرتے ہیں

عبد ربہ روایت کرتے ہیں کہ "اسحٰق ابن ابراہیم ابن اسمٰعیل ابن حماد ابن زید جو بغداد کے مشہور عالم اور اپنے زمانہ کے مجتہد تھے وہ کہتے ہیں کہ "ایک روز عہد ہارونی کے قاضی خلافت اور مفتی نافذ الحکم"، "یحییٰ ابن اکثم" میرے مکان پر تشریف لائے اور کہا کہ "خلیفہ نے حکم دیا ہے کہ علمائے بغداد سے ایسے چالیس علماء منتخب کر کے کل اُس کے پاس پیش کروں جو احکام اور مسائل سے واقف اور ان پر دلائل و براہین قائم کرنے کی قدرت رکھتے ہوں ۔ تم جن کو ان صفات سے متصف سمجھتے ہو ان کے نام بتلاتے جاؤ اور میں لکھ لیتا ہوں ۔ میں ایک ایک نام بتلا رہا تھا مگر یحییٰ نے وہی نام لکھے جن پر اُسکو اعتماد تھا ۔ جب چالیس نام پورے ہو گئے یحییٰ نے اُن سب سے وعدہ لیا کہ کل صبح کو طلوع آفتاب کے وقت سب اُس کے مکان پر آجائیں ۔ دوسرے روز سب جمع ہوئے وہیں نماز صبح پڑھی اور یحییٰ کے ساتھ خلیفہ کے محل پر پہنچے ۔ مامون کی حضوری میں پہنچتے ہی

ہم کو بیٹھنے کی اجازت ملی۔ مامون کا لباس فاخرہ اور سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی خلیفہ نے اپنا عمامہ سر سے اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور حکم دیا کہ ہم بھی اپنے عمامے اور عبائیں اُتار کر ایک طرف رکھ کر آرام سے بیٹھیں اور ہماری راحت و آرام کے تمام اسباب فراہم کرنے کا حکم بھی دیدیا۔ خلیفہ مامون نے احکام شرعیہ سے متعلق کچھ سوالات کئے اور ہم نے بھی حسب مراتب اُن سوالات کے جوابات دیئے۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے یہ بھی کہا کہ اس وقت ہم کو بلانے کا یہ مقصد نہ تھا بلکہ ایک اہم مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ہم سے بحث کرنا چاہتا ہے۔

مامون۔ "میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور حضرت علیؑ کو تمام خلائق سے افضل اور خلافت کے لئے تمام افراد سے بہتر جانتا ہوں اور آپ سے بھی خواہش کرتا ہوں کہ اس عقیدہ کو قبول کر کے اس خصوص میں اپنی رائے بیان کریں"۔

اسحٰق ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ "میں نے کہا کہ" علیؑ کے فضل و شرف کے متعلق خلیفہ کی نظر میں جو کچھ مواد ہو اُسے ظاہر فرما دیں تاکہ حاضرین اُس مسئلہ سے واقف ہو جائیں"۔

مامون نے اسکو قبول کرتے ہوئے کہا کہ "اے اسحٰق فضیلت کس چیز سے ثابت ہوتی ہے مثلاً فلاں شخص فلاں شخص سے افضل ہے اسکو کس طرح ثابت کیا جائیگا۔ اسحٰق نے جواب دیا" اعمال صالحہ لازم ہیں"۔

مامون "اے اسحٰق جس روز رسولِ خدا لوگوں کو اسلام کی طرف بلا رہے تھے اُس روز عمل صالح کے لحاظ سے کون افضل تھا۔ "اسحٰق"، خلوص کیا تھا (خدا کی وحدانیت کی) شہادت دینے والا سب سے افضل تھا۔ اسی کو اسلام پر سابق کہا جائیگا۔ مامون، صحیح ہے کیا علی ابن ابی طالبؑ سب سے پہلے اسلام میں سابق نہ تھے"۔ اسحٰق "ہاں مگر علی ابن ابی طالب نے جس وقت اسلام قبول کیا نابالغ تھے اور مکلفین سے جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا حضرت ابوبکر تھے"۔ "مامون" اے اسحٰق کیا علی ابن ابی طالب خدا کے الہام سے داخل ہوئے یا رسول اللہ کے کہنے سے" اسحٰق کہتے ہیں کہ میں دریائے فکر میں غرق ہو گیا۔ "مامون" اے اسحٰق یہ نہ کہو کہ" علی الہام الٰہی سے داخل دین اسلام ہوئے کیونکہ وحی رسولِ خدا پر نازل ہوتی ہے" بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ" علیؑ رسول خدا کی دعوت پر داخل ہوئے"۔ مامون نے پھر کہا" اے اسحٰق ایک نابالغ بچہ کو دین قبول کرنے کی دعوت دینا کیا اسکو تکلیف مالایطاق نہ کہیں گے۔ اسحٰق کہتے ہیں کہ میں پھر اسی طرح فکر میں ڈوب گیا۔

مامون نے کہا "خدا فرماتا ہے" وما انا من المتکلفین" یعنی ہم کسی کو تکلیف مالایطاق نہ دیں گے پس بالکل ظاہر ہے کہ علیؑ حالت تکلیف میں داخل دین اسلام ہوئے (یعنی قبول کرنے کے قابل اور ان میں سمجھنے کی صلاحیت تھی)

اسحٰق کہتے ہیں کہ " مامون نے پھر اپنے سوال کو دُھراتے ہوئے کہا اے اسحٰق وہ احادیث واخبار جو تمہارے علماء نے علیؑ کی فضیلت و شرافت میں بیان کئے ہیں کیا علیؑ کے سوائے کسی دوسرے کے لئے بھی ایسے احادیث و اخبار بیان کئے ہیں"
اسحٰق۔ صحیح روایتیں جو علی ابن ابی طالب کی شرافت و فضیلت میں آئی ہیں اُن حضرت کے سوائے کسی اور کے لئے نہیں آئیں" مامون نے کہا " جو حدیث (حضرت) ابوبکر کی شان میں آئی ہے کیا اُس حدیث کے مقابل ہوسکتی ہے جو علیؑ کی شان میں وارد ہوئی ہے۔" اسحٰق کہتے ہیں" میں نے کہا کہ یقیناً نہیں ہوسکتی" کیا وہ احادیث جو (حضرات) ابوبکر و عمر و عثمان کی شان میں آئی ہیں علی علیہ السلام کے فضائل کے برابر ہوسکتی ہیں یا نہیں۔ اسحٰق۔" برابر نہیں ہوسکتیں"۔ مامون" کیا قرآن پڑھتے ہو" اسحٰق نے کہا" پڑھتا ہوں"۔ مامون" سورہ (ھل اتیٰ علی الانسان) پڑھو" اسحٰق کہتے ہیں" میں نے پڑھنا شروع کیا جب (ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا انما نطعمکم لوجه الله 76،7
لا نرید منکم جزاء ولا شکورا" تک پڑھا تو مامون نے کہا" اے اسحٰق یہ آیت کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔
اسحٰق" علی ابن ابیطالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔" مامون" حدیث" المبشرة بالجنة" تم نے سنی ہے۔ اسحٰق" ہاں سنی ہے"۔ مامون" اگر کوئی اس حدیث میں شک کرے تو کافر ہوگا یا نہیں۔" اسحٰق" ہرگز کافر ہوگا نہیں" اسلئے کہ یہ روایت خبر واحد ہے۔" مامون" اے اسحٰق اگر کوئی شخص قرآن میں سورہ" ھل اتیٰ" کے ہونے سے انکار کرے تو کیا ہوگا۔" اسحٰق" کافر ہو جائے گا" مامون" ایسی صورت میں جو فضیلت مشتبہ روایات سے ثابت ہو اُسکو اُس فضیلت پر کیوں ترجیح دے رہے ہو جو قرآن کے آیات محکمات سے ثابت ہو رہی ہے۔" اسحٰق" کہتے ہیں کہ" ہم نے سکوت کیا" خلیفہ نے پھر شروع کیا۔" کیا حدیث طیر جانتے ہو" کہا" ہاں جانتا ہوں اور روایت بھی کرتا ہوں"۔ مامون" کیا یہ حدیث صحیح ہے"۔ ہم سب نے کہا" صحیح ہے۔" مامون" اے اسحٰق خداوند متعال نے اپنے رسولؐ کی دعا کو قبول کیا یا رد کر دیا۔ اسحٰق" ہرگز رد نہیں کیا بلکہ قبول فرمایا" مامون۔ اس صورت میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول اکرمؐ کی دعا قبول فرما کر اپنی عزیز ترین مخلوق کو بھیجا کہ رسول اکرمؐ کے ساتھ ہدیہ کا مرغ تناول فرمائے"۔ اسحٰق" ہاں" مامون۔ دعائے رسولخدا کے اثر سے اُس بھنے ہوئے مرغ کا کھانے والا علی علیہ السلام تھے"۔
مامون" اے اسحٰق کیا خدا و رسول جانتے تھے کہ اُمت میں کون افضل ہے یا نہیں جانتے تھے۔" اسحٰق" جانتے تھے" مامون" جب خدا و رسول جانتے تھے کہ امت میں کون افضل ہے تو کیا افضل کو اختیار کیا یا مفضول کو" اسحٰق" افضل کو" مامون" اس صورت میں علی علیہ السلام افضل خلق ہیں"۔ اسحٰق" ابوبکر بھی فضیلت رکھتے ہیں"۔ ہوا کرے ہم افضلیت

ثابت کرنا چاہتے ہیں نہ کہ صرف بزرگی (فضیلت) لیکن اس موقع پر تم اُن کی کونسی فضیلت بتلانا چاہتے ہو" "ثانی اثنین اذ ھما فی الغار قال لصاحبه لا تحزن ان اللہ معنا" مامون "مصاحبت فضیلت نہیں ... ممکن ہے کہ دو مصاحب باہم الگ و دیگر کے مغائر ہوں۔ تم نے قرآن مجید میں نہیں دیکھا (وقال لصاحبه وھو یحاورہ اکفرت بالذی خلقك) اسحٰق "اس آیت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے "لا تحزن ان اللہ معنا" مامون "اے اسحٰق میں تم کو حق کی جانب مائل اور تعصب سے بری جانتا تھا لیکن جب تم تعصب اور عداوت پر اتر آئے تو سنو اے اسحٰق ابوبکر کا حزن خدا کے لئے تھا یا اپنی ذات کے لئے۔ اگر کہو کہ خدا کے لئے تھا تو رسولؐ خدا نے کیوں منع فرمایا۔ اور اگر کہو کہ خود اُن کی ذات کے لئے تھا تو اس سے اُن کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اسحٰق "قرآن میں (وانزل اللہ سکینته) ارشاد ہوا ہے "خلیفہ نے اس کے جواب میں کہا" خدا نے یہ سکون قلب پیغمبر پر نازل فرمایا یا قلب ابوبکر پر"۔ اسحٰق۔ رسول پر نازل ہوا۔ مامون۔ "خدا فرماتا ہے"۔ وانزل اللہ سکینته علی رسوله وعلی المومنین"۔ جانتے ہو وہ کون ہیں جن پر رسول کے ساتھ سکینہ نازل فرمایا اسحٰق "آپ ہی فرمائیے وہ کون تھے"۔ مامون "جب جنگ حنین میں تمام اصحاب ہزیمت اٹھا کر بھاگ گئے رسولؐ خدا کی خدمت میں صرف سات بنی ہاشم رہ گئے تھے۔ عباس ابن عبدالمطلب رسول اللہ کے چچا۔ حضرت ... پانچ حضرات حضرت کو گھیرے ہوئے تھے اور تنہا علی ابن ابیطالب کفار سے جنگ کر رہے تھے ... اور علی ابن ابی طالب پر نازل ہوا تھا۔ اسحٰق کہتے ہیں کہ ہم سب کو معلوم تھا اس لئے سب ...

مامون "خلوص سے (وحدانیت کی) شہادت دینے کے بعد سب سے بہتر عمل ... اللہ کے اصحاب میں کسی صحابی کو بھی اس عمل میں علی کے مقابل جانتے ہو" اسحٰق نے پوچھا "کون سا وہ مراد ہے"۔ اسحٰق ... میں نے چاہا کہ بدر کو نمونہ قرار دوں۔

مامون۔ اے اسحٰق جنگ بدر میں کتنے کفار مارے گئے"۔ اسحٰق "یا سٹھ کافر مقتول ہوئے"۔ مامون "ان میں کتنے علیؑ ابن ابیطالب کے ہاتھ سے مارے گئے"۔ اسحٰق "بعض آدمی ... بیالیس ... اصحاب ... مامون" اسحٰق ذرا حنین کا حال دیکھو۔ اسحٰق فرمائیے" حنین میں سب ناکام ہو گئے ... آدمی رہ گئے ... کفار سے مقابلہ کر رہے تھے باقی اصحاب کہاں تھے۔ اسحٰق۔ ابوبکر اس وقت ... سے مشورہ کر رہے تھے ... ابوبکر سے مشورہ کر رہے تھے کیا رسول اللہ خود کوئی مستقل رائے رکھتے تھے یا ابوبکر کے مشورے کے محتاج تھے۔ اسحٰق ... پیغمبر ... فرشتے ...

اُن میں رسولؐ اللہ کو کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مامون۔ اے اسحٰق جن امور میں ابوبکر یا دوسرے صحابہ کی خلافت کا کچھ اہمیت نہ رکھتا ہو اسکی کیا خصوصیت ہوگی کہ ایسی مجاہد کے برابر ہوجائے۔ اسحٰق "جو اس جنگ میں شریک تھے چاہے لڑے ہوں یا بیٹھے رہے ہوں اُن کو جزا ضرور ملیگی۔ مامون "کیا تم نہیں سمجھتے کہ خدائے ذوالجلال قرآن مجید میں فرماتا ہے " فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً " (خدا لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں پر فضیلت دیتا ہے) اسحٰق کہتے ہیں کہ "میں جواب نہ دے سکا

مامون۔ کیا حدیث موالات سے واقف ہو۔ اسحٰق "۔ جانتا ہوں" تمام راویوں کے نام لیکر جتنے طریقوں سے یہ حدیث آئی ہے اسحٰق نے بیان کردیا۔ مامون "جب کسی کی ولایت علیؑ پر لازم نہیں کی گئی اور علیؑ کی محبت ابوبکر اور عمر اور دوسرے تمام اصحاب پر لازم کردی گئی ہو ایسی صورت میں وہ کونسی فضیلت ہے جو دوسروں میں پائی جارہی ہے" کسی سے جواب نہ بن پڑا اب خاموش رہے۔ مامون۔ اے اسحٰق۔ حدیث منزلت سُنی ہے" اسحٰق" ہاں سُنی ہے۔" مامون" کیا یہ بھی جانتے ہو کہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام دونوں بھائی ایک ہی ماں باپ سے تھے" ۔اسحٰق "ہاں ٹھیک ہے" "یہ بھی جانتے ہو کہ علی علیہ السلام اور رسول [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اخوت ظاہری نہ تھی (دونوں حقیقی بھائی نہ تھے) اسحٰق" جانتا ہوں"۔

مامون۔ پھر حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا منصب رکھتے تھے"۔ اسحٰق۔ وصایت اور خلافت کی منزلت تھی"۔

مامون۔ پھر علیؑ کی منزلت بھی رسول خدا کے ساتھ وہی خلافت اور وصایت تھی یا کچھ اور"۔ اسحٰق کہتے ہیں کہ بغداد کے چالیس منتخب علماء کو سوائے اس کے چارہ [illegible] تھا کہ اس واضح حقیقت کو قبول کریں۔ مامون نے آسمان کی جانب اپنا سر بلند کرکے کہا" الٰہی گواہ رہنا میں نے علیؑ کی [illegible] اور [illegible] کو ثابت کردیا اور لوگوں کو راہ حق کی طرف بلایا ہے مگر ہدایت کرنے والا تو ہی ہے"

[illegible] یا ہے کہ وہ اہل سنت کے مشہور فاضل اور فقیہہ علامہ عبد ربہ نے "عقد الفرید" کے صفحہ [illegible] پر [illegible] [illegible] نا سے جو روایت لکھی ہے یہاں ختم ہوگئی لیکن اس مقام پر بعض امور کا اظہار ضروری ہے

مامون نے [illegible] [illegible] تھے کہ وہ سے کہ جنہوں نے مامون کے اس احتجاج کو قبول کرلیا بغداد کے چالیس منتخب علماء تھے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ [illegible] ور کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جس کے حل کرنے میں ایک جاہل کو بھی دشواری پیش نہیں آسکتی لیکن دارالعلم بغداد کے مشہور اور منتخب علماء کو اس کے حل کرنے میں کیوں اتنے مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور وہ

سبب مامون کے احتجاج کے محتاج ہوئے ۔ درآنحالیکہ علماء شرع کے حاکم ہیں اور مامون دنیوی بادشاہ افسوس صد افسوس ۔ صراط مستقیم کی حقیقت اور حقائق ثابت کرنے میں تساہل اور کنارہ کشی سے پیچھے اخلاف (بعد آنے والوں) کو ایسے سخت دام (جال) میں پھنسا دیا کہ وہ بیچارے اب تک حیران اور سرگردان ہیں ۔

بہت سے علماء اپنے وقت کے خلفاء اور سلاطین کے دستر خوان کے مستفید تھے اسی لئے اُن خلفاء اُن سلاطین کی خاطر اُن کی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے انہی کے حسب مرضی اسلام کے احکام اور فتوے بدلا کرتے تھے ۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ امت مرحومۂ اسلامیہ نے اُس بدکاری کے درخت کا زہر آلود پھل کھایا اور کھا رہی ہے ۔

دوسرے ۔ کتاب "عقائد نسفی" میں خلفاء کے نام سلسلہ سے لکھکر فرماتے ہیں ۔ والافضلیت علیٰ ھذا الترتیب" یعنی خلیفہ اوّل خلیفہ دوم سے ۔ خلیفہ دوم خلیفہ سوم سے ۔ اور ۔ خلیفہ سوم خلیفہ چہارم سے افضل ہیں ۔ اس سے ان کا مقصد صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جسطرح لوگوں نے منتخب کر کے ایک کے بعد دوسرے کو مسند خلافت پر بٹھا دیا خدا کے پاس بھی اُن کے مدارج ایسے ہی ہیں ۔ اس بیجا اور بگانہ تجویز کو ملاحظہ فرمائیے ۔ اگر ایسا ہی مان لیا جائے تو خلیفۂ اول خلیفہ دوم سے ۔ خلیفہ دوم خلیفہ سوم سے ۔ اور ۔ خلیفہ سوم امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے افضل ہونگے لیکن یہ حکم کس قدر رکیک اور بے اصل ہے ۔ یہ کتاب "عقائد نسفی" اہل سنت کے علماء میں مشہور علامہ نسفی کی لکھی ہوئی ہے ۔ اور یہ حقیر بھی علماء اہلسنت کی ایک ادنیٰ فرد ہے اور خصوصیت کے ساتھ جماعت مذہب حنفی کی جبہ و قضاء بھی رکھتا ہے ۔ اس کتاب کو بارہا پڑھا اور پڑھایا ہے ۔ باوجود اس کے علامہ کے اس حکم کو رد اور اس پر اعتراض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں ۔ اور اس اعتراض کے پڑھنے والے حضرات سے اُمیدوار ہوں کہ پہلی نظر میں مجھ پر اعتراض نہ فرمائیں اور یہ نہ خیال کریں کہ "یہ شخص علمائے سابقین کا مخالف ہے" ۔ اسلئے کہ علمائے سلف کے احکام ہمارے لئے حتمی دلیل نہیں ہوسکتے ۔ جب تک کہ قوی دلائل کے ساتھ ہم واضح اور آشکار نہ ہو جائیں ۔ اب میں یہاں ثابت کرونگا کہ انہوں نے جو فیصلہ کیا ہے "الافضلیۃ علیٰ ھذا الترتیب" یہ فیصلہ بلا دلیل اور ترجیح بلا مرجح ہے یعنی نسفی کہتے ہیں کہ خلفاء کا شرف اور اُن کی بزرگی سلسلۂ خلافت کے موافق اور مطابق ہے ۔ لیکن مؤلف کہتا ہے کہ بے دلیل حکم کو مان لینا اندھی تقلید اور جاہلانہ یقین ہے ۔ اب میں اس مسئلہ کو اور واضح کرتا ہوں تاکہ میرے اعتراض کا پورا اندازہ اور ثبوت ممکن ہو جائے ۔

اگر کسی ... کے ہر دعوی اور حکم کو ثابت کرنے کے لئے دلیل واجب و لازم ہے کیونکہ بغیر دلیل کے کسی مسئلہ کو ثابت کرنے

کی کوشش کرنا محال ہے نہیں بلکہ ترجیح بلا مرجح ہے اور یہ دونوں واقع ہونا مشکل ہے۔

جن دلائل سے احکام اسلامی ثابت کئے جا سکتے ہیں ان کے دو اقسام ہیں عقلی۔ نقلی۔ لیکن ان احکام کو ثابت کرنے کے لئے دلیل عقلی پر اعتماد نہیں کیا جاتا بلکہ دلیل نقلی کی مدد کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اسلام میں بذات خود نقلی دلائل مستقل ہیں۔ باوجود اس کے ہم نے معقول طریقوں اور عقلی تجربوں سے امیرالمومنین علیہ السلام کا افضل امت ہونا ثابت کر دیا قارئین کرام سے استدعا کرتے ہیں کہ چند صفحات الٹ کر ملاحظہ فرمالیں اور وہ دلائل نقلی جن کے متعلق امت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی اختلاف اور نہ افتراق بلکہ تمام امت اسلامیہ جس پر متفق ہے دو ہی ہیں۔ ایک آیات قرآنیہ۔ دوسرے احادیث نبویہ۔ قیاس اجماع۔ اجتہاد چونکہ ان کے متعلق امت مرحومہ میں اختلاف ہے اسلئے ہم نے ان کو اپنے موضوع بحث سے خارج کر دیا۔

قرآنی آیات میں "قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" صرف ان ہی دو آیتوں پر ہم نے اس کتاب میں اکتفا کی ہے۔ آیۃ ذوی القربیٰ میں علی ابن ابی طالب ان کی زوجہ مطہرہ فاطمہ زہرہ اور سبطین کریمین علیہم السلام کی مودت امت پر فرض کی گئی ہے اور اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ دوسرے کو یہ شرف اور فضیلت میسر ہوئی ہو اور دوسری آیت بھی انہی پانچ آل عبا کی عصمت اور طہارت کو ثابت کر رہی ہے اور ان پانچ بزرگواروں میں سے ایک علی ابن ابی طالب علیہ السلام ثانی رسول خدا ہیں اور عصمت و معصومیت ہی نوع بشر کی وہ فضیلت ہے جس سے بڑھکر کوئی دوسری فضیلت نہیں ہو سکتی۔ اب احادیث نبوی کے متعلق میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ احادیث جن سے امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا شرف۔ بزرگی۔ اور تمام امت سے انکی افضلیت ثابت ہوتی ہے اور تمام علماء نے ان احادیث کی صحت پر اتفاق کیا ہے ممکن نہیں کہ یہاں ان سب کا ذکر کیا جائے اسلئے ہم نے بطور نمونہ کے چند احادیث کا ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم۔ اور۔ صحیح بخاری میں موجود ہیں اور ان ہی سے ثابت کیا ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام تمام امت سے افضل اور اشرف ہیں۔ اور فن مناظرہ میں یہ بھی ثابت ہے کہ دلیل اپنے مدلول سے کبھی مخالفت نہیں کرتی اس کے علاوہ اس کے ہم۔۔۔ عا کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور "عبد ربہ" کی وہ روایت جس کا ہم نے ذکر کیا یعنی علماء بغداد سے مامون کا احتجاج۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ مامون نے دلائل کے ساتھ اس عہد کے تمام علماء و مجتہدین پر ثابت کر دیا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تمام افراد امت سے افضل اور اشرف تھے۔ اور یہ

سب علماء و فقہا خصوصاً ابو یوسف (امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید) "محمد بن حسن شیبانی"۔ "زفر"۔ "شافعی"۔ "احمد ابن حنبل"۔ ان کے علاوہ اُسی زمانہ کے اور دوسرے علماء سب اہلسنت سے تھے۔ اور تمام احکام شرعی کے نفاذ کا تعلق اُن ہی سے تھا اب ہم اپنے مطلب پر آئے میں ارباب علم و محاکمہ سے پوچھنا ہوگا "علامہ نسفی" نے اپنے اُس حکم کی بنا کس دلیل پر رکھی تھی۔ ہم نے کہہ دیا ہے کہ "بے دلیل دعویٰ تحکم ہوگا" وہ کونسی فضیلت ہے جو علیؑ میں نہ پائی جاتی ہو اور دوسرے افراد میں موجود ہو۔ اور اُس فضیلت کی وجہ سے وہ علیؑ سے افضل ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ عقل و نقل دونوں گواہی دیتے ہیں کہ کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے لہٰذا علامہ نسفی کا یہ فیصلہ کہ "خلفاء کی افضلیت ترتیب خلافت کے مطابق ہے۔" دعویٰ بے دلیل اور بغیر شہادت و برہان کے محض تحکم ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس بحث کو کسی قدر اور واضح کریں۔

ہم دیکھتے ہیں فلاں شخص عالم ہے۔ فلاں شخص خلیفہ ہے اور فلاں شخص بادشاہ ہے۔ چونکہ یہ وظائف (خدمات) ظاہر اور قابل مشاہدہ ہیں۔ آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ کانوں سے سن سکتے ہیں۔ اور ان کا تعین و یقین کر سکتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں شخص فلاں شخص سے افضل اور فلاں غیر افضل ہے کسی قدر مشکل ہے۔ کیونکہ جب کبھی قرب خداوندی اور کثرت ثواب اُخروی مراد ہو تو اس کا فیصلہ انسان کے اختیار سے خارج اور فقط خداوند متعال سے متعلق ہوگا۔ اور اگر خدا اور اُس کے رسولؐ نے اس کے متعلق فرمایا ہو تو اُس وقت انسان بھی اُس پر یقین کرے گا لیکن حکم اور ارادہ خدا ہی کا ہوگا اور ہم فقط اس حکم و ارادہ پر مامور ہونگے۔

یا یہ کہ فضیلت سے مراد وہ احکام اور ارکان ہوں گے جو حصول فضیلت کا ذریعہ ہوں۔ جیسے اسلام حاصل کرنے میں سبقت۔ خدا کے حکم سے جہاد کرنا۔ علم۔ سخاوت۔ زہد۔ تقوٰی کی کثرت اور نیکی و قربت۔ اس صورت میں بھی ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تمام افراد امت سے سابق اور اُن کے تمام اعمال امت اسلامیہ کے تمام اعمال سے بڑھے ہوئے تھے اسی خبر کو دیکھ لیں جس پر تمام علمائے شیعہ و سنی کا اتفاق ہے۔ "رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔" ضَرْبَةُ عَلِيٍّ فِي يَوْمِ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ بیشک عمرو ابن عبدود پر علیؑ کی ایک ضربت افضل ہے قیامت تک جن و انس کی عبادت سے۔ ہم اس حدیث کو ضروری توضیح کے ساتھ لکھ چکے ہیں لیکن یہاں ایک اہم خیال کا اظہار منظور ہے

جس طرح کہ علمائے اہلسنت اس عاجز اور حقیر کے کلام کو پڑھنے سے قبل اعتراض کریں گے اور کہیں گے کہ "وائے علماء پر

ہے۔ اس نے متقدمین کی کتاب پر جرح اور تنقید اور علماء اور مجتہدین کے اقوال کو رد کیا ہے۔ اے لوگو! دیکھتے ہو یہ شخص رافضی ہو گیا ہے۔ خلفائے کی شرف اور بزرگی سے انکار کرتا ہے۔ اُن کی افضلیت قبول نہیں کرتا۔ غرض اسی طرح کی باتیں کہیں گے اور نہ جانے کے ساتھ یہ بھی کہیں گے "اے لوگو ہم ایسے کلام کو قبول نہیں کرتے اسلئے کہ علمائے سابقین اور مجتہدین سلف نے ایسا نہیں کہا ہے۔ اور سلف نے جو کچھ کہا ہے اخلاف کو چاہئیے کہ اُسکو قبول اور اُن کی اطاعت کریں۔ اور اگر انہوں نے (سلف) کچھ نہیں کہا تو وہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ وغیرہ وغیرہ

ہم یہاں اُن اعتراضات کا جواب یہ دیتے ہیں

اوّلاً اپنے دینی بھائیوں سے استدعا کرتا ہوں کہ تقلید اور تعصب سے دور رہ کر گہری نظر سے منصفانہ تحقیق کریں۔ دوسرے۔ اگر کہیں کہ علمائے سلف پر ایراد و اعتراض کیا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ علمائے سلف پر ایراد و اعتراض کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اگر اخلاف اپنے اسلاف پر اعتراض نہ کرتے تو دنیا میں اتنی متعدد کتابیں لکھی ہی نہ جاتیں۔ فقط اخلاف کے ایراد اور اعتراض ہی ان کتابوں کے لکھے جانے کا باعث ہوئے۔ ان سب کتابوں کو دیکھئے یا اسلاف کے اقوال کی شرح اور توضیح ہے یا اسلاف نے اُن کے کلام کو قبول نہیں کیا یا اُن کے کلام کی رد اور اُس پر اعتراض ہے اگر علمائے سابقین کا ہر قول قابل قبول ہوتا تو ایک ہی کتاب جو پہلے لکھی گئی وہی کافی تھی اُس کے بعد اخلاف کو قلم اُٹھانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ علامہ نسفی پر اعتراض کرنے والا پہلا شخص میں نہیں ہوں بلکہ علامہ تفتازانی" نے اس مسئلہ میں اُن پر اعتراض کیا ہے۔ تصدیق کے لئے علامہ تفتازانی کی" شرح عقائد نسفی ملاحظہ ہو

اگر یہ کہیں کہ "عقائد کی کتاب کی رد اور تردید کی ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ عقیدہ یا اعتقاد کی تعریف یہ ہے کہ جو احکام پیغمبر اکرم کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور اُن کا اطلاق اُن احکام پر ہوتا ہے جو خدا کی جانب سے پیغمبر پر (بذریعہ وحی) نازل ہوئے ہوں۔ ان احکام سے کوئی شخص انکار کر نہیں سکتا۔ بارہا ہم نے کہا ہے کہ یہ وہ احکام نہیں ہیں جن پر ہمارا اعتراض ہے لہٰذا ہمارا اعتراض عقائد پر نہیں ہے۔

چوتھے۔ اگر ہمارے اس اعتراض کو رفض کہیں۔ اُس کا جواب یہ ہے کہ جن اشخاص نے خاندان رسولؐ سے کسی قدر تمسک کیا خصوصیت سے ان لوگوں نے اہلبیت رسولؐ کی فضیلت و شرافت کا ذکر کیا اُن کو اسی لفظ (رافضی) سے متہم کیا گیا۔ یہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کی ایجاد ہے جو آج تک جاری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ وہی بیجا تہمت ہے جو امام شافعی پر لگائی گئی

وہ بہت بڑے عالم تھے۔ یہ تہمت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے۔ جو واقعہ بیان کیا گیا ہے ہم بجنسہ یہاں نقل کرتے ہیں شریف نورالدین علی سمہودی کی کتاب "جواہر العقدین" میں اس طرح روایت کرتے ہیں کہ

"نقل البیہقی عن ربیع ابن سلیمان قال قلت للامام الشافعی رحمۃ اللہ ان اناسا لا یصبرون علی سماع منقبۃ او فضیلۃ اھل البیت الطیبین فاذا رأوا احدا منا یذکرھا یقولون ھذا رافضی فانشاء الشافعی وقال"۔ بیہقی نے سلیمان ابن ربیع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے کہا کہ لوگ اہلبیت طیبین کی منقبت اور فضیلت سن نہیں سکتے۔ اگر ہم میں سے کسی ایک کو اہلبیت کی منقبت اور فضیلت کہتے ہوئے سنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ رافضی ہے" اس وقت امام شافعی نے یہ اشعار کہے اور فرمایا

اذا فی مجلس ذکروا علیا — و سبطیہ و فاطمۃ الزکیۃ

جب کسی مجلس میں علیؑ اور اُن کے دونوں فرزندوں حسنؑ اور حسینؑ اور فاطمہؑ کا ذکر کرتے ہیں

فاجری بعضھم ذکرا سواہ — فایقن انہ سلقلقیہ

تو بعض لوگ اُن کے سوا دوسروں کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں پس یقین کرو کہ یہ فضول بکواس ہے

اذا ذکروا علیا او بنیہ — تشاغل بالروایات العلیہ

جب علیؑ یا اولاد علیؑ کا ذکر کرتے ہیں جو مستند روایتوں سے ثابت ہے۔

وقال تجاوزوا یا قوم عن ذا — فھذا من حدیث الرافضیۃ

تو کہا یہ جاتا ہے کہ اے لوگو اس ذکر کو ترک کردو کہ یہ رافضیوں کی باتیں ہیں

برئت الی المھیمن من اناس — یرون الرفض حب الفاطمیۃ

میں لوگوں کے اس گمان سے بری ہو کر وہ اولاد فاطمہؑ کی محبت کو رفض سمجھتے ہیں

علی آل الرسول صلوۃ ربی — ولعنتہ لتلک الجاھلیۃ

رسول اللہ کی آل پر میرے خدا کی رحمت ہو اور اس جہالت کے عقیدہ پر خدا کی لعنت

اور حافظ زرندی نے حسب ذیل اشعار امام شافعی سے روایت کئے ہیں

قَالُوا تَرَفَّضتَ قُلتُ كَلَّا   مَا الرَّفضُ دِینِی وَلَا اِعتِقَادِی

لوگوں نے پوچھا کہ کیا تم رافضی ہو گئے ہو میں نے کہا کہ ہرگز نہیں نہ میرے ذہن میں رفض ہے اور نہ اعتقاد میں

لٰکِن تَوَلَّیتُ غَیرَ اِمَامٍ -   خَیرُ اِمَامٍ وَّخَیرُ هَادِی

لیکن میں نے ولی سمجھا بہترین امام کو ایسا بہترین امام جو بہترین ہدایت کنندہ ہے

اِن کَانَ حُبُّ الوَصِیِّ رَفضًا   فَاِنَّنِی اَرفَضُ العِبَادِی

اگر وصی (علیؑ) کی محبت رفض ہے تو میں سب سے بڑا رافضی ہوں

اسی طرح امام فخرالدین رازی نے "بقول امام فرنی" امام شافعی کے یہ اشعار لکھے ہیں

وَمَا زَالَ کِتمَانِیکَ حَتّٰی کَاَنَّنِی   بِرَدِّ جَوَابِ السَّائِلِینَ لَاَعجَمُ

اور ہمیشہ میں آپ کے فضائل کو چھپاتا رہا جیسے کہ میں لوگوں کے سوالوں کا جواب دینے میں گونگا ہوں

وَاَکتُمُ وُدِّی مَعَ صَفَاءِ مَوَدَّتِی   لِتَسلَمَ مِن قَولِ الوُشَاۃِ وَاَسلَمُ

اور چھپاتا ہوں میں اپنی محبت اور مودۃ کو تاکہ تم اور میں دونوں چغلخوروں کے قول سے محفوظ رہیں

اسی طرح علمائے اہلسنت سے بیہقی، سہیل ابن محمد - اور - عبدربا نے سلیمان ابن قطیبہ سے امام شافعی کے بہت سے قصائد لکھے ہیں - ہاں یہ اتہام دشمنی اور جاہلانہ تعصب کی پیداوار ہے - جو مسلمین اور مومنین خلفاء کے لئے اُن کے مرتبے سے زیادہ بلند مرتبہ تسلیم نہیں کرتے انہی کو رافضی سے موسوم اور بدعت سے منسوب کیا جاتا ہے - حالانکہ اُن کے (اصحاب) کے لئے جو فضیلت ثابت ہے - یہ شیعہ ایسے اس کے منکر نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کو اُس کے مرتبہ کے مطابق قبول کرتے ہیں لیکن معاویہ نے ستر سال حضرت علیؑ پر سب کیا اور برا کہا اور دوسروں کو اُن حضرت پر سب کرنے کا حکم دیا - رسولؐ خدا کے منبر پر ہزاروں صحابہ کے سامنے رسول اکرمؐ کے وصی پر لعنت کر کے خدا کے عرش اعظم کو ہلا دیا اور سبطین علیہم السلام پر اُن کے جد کرمؐ کے روضہ میں لعنت کی اور اس سانحہ دل خراش کو دیکھ کر ام المومنینؑ ام سلمہ واویلا وامصیبتا کہتی ہوئیں روضۂ مطہر سے باہر نکل گئیں - باوجود اس کے معاویہ کو امیرالمومنین کہکر اُس کے پیچھے نماز جماعت پڑھیں اور رحمۃ اللہ اور رضی اللہ کہکر اُس کا نام لیں اور کتب تواریخ میں ایسے موروثی بدکار کی یادگار اُمت میں چھوڑیں - بے شک علی علیہ السلام کی ثابت شدہ بزرگی کا اقرار کریں تو ہرگز یہ رفض نہیں ہے اور نہ بدعت - افسوس - یہ تعصب اور دغابازی معاویہ

اور بدکار مروان کی خواہش اور آرزو کے موافق ہے

پانچویں ۔ اگر کہیں کہ " خلفاء کے شرف اور منزلت اور اُن کی افضلیت کو قبول نہیں کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا ورسولؐ کے پاس ان کا جو شرف ہے میں اور افراد ملت کا کوئی شخص ہرگز اُس سے انکار نہ کریگا۔ اور خدا و رسولؐ کے پاس اُن کا جو شرف ثابت نہ ہو اُس کے انکار سے ہرگز خطاکار نہ کہلائیگا۔ اسلئے کہ معدوم کو موجود فرض کر لینا خطاکاروں کا شیوہ اور انصاف سے خارج ہے۔

چھٹے ۔ اگر کہیں " خلفاء کی افضلیت کو قبول نہیں کرتا " ۔ اس کا یہ جواب ہے کہ " میں پہلا شخص نہیں ہوں ۔ بلکہ خود خلفاء نے اس مرتبہ اور افضلیت کی تردید کی ہے ۔ چنانچہ علمائے اہلسنت نے روایت کی ہے کہ " جب ابوبکر ابن ابی قحافہ خلیفہ ہو گئے چند روز کے بعد منبر پر گئے اور کہا اَقِیلُونِی اَقِیلُونِی مَا اَنَا بِخَیْرِکُمْ وَعَلِیٌّ فِیْکُمْ ۔ یعنی مجھے خلافت سے معاف رکھو میں تم سے بہتر نہیں ہوں جبکہ علیؑ جیسی ہستی تم میں موجود ہو۔ اسی طرح غدیر خم کے روز حدیث موالات سنکر عمر ابن خطاب نے کہا " بَخٍ بَخٍ لَّکَ یَا عَلِیُّ اَصْبَحْتَ مَوْلَایَ وَ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّ مُؤْمِنَۃٍ ۔ یعنی مبارک ہو یا علیؑ آج آپ میرے اور ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہوئے ۔ ہم اگر اس طرح کے واقعات کی تلاش کریں تو علمائے اہلسنت میں سینکڑوں ملیں گے لیکن انصاف اور حقانیت شرط ہے ۔

ساتویں ۔ اگر کہو کہ " علمائے سلف نے جو کچھ کہا ہے خلف کو چاہیئے کہ بغیر کمی و زیادتی کے اسکو قبول کریں ۔

" اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ " یہ بات صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اگر خلف سلف کے ہر کلام کو بغیر کمی و زیادتی کے مان لینے پر مجبور ہے تو ۔ ابوحنیفہ کے شاگرد ابویوسف جب اپنے استاد کے جانشین ہوئے تو ابوحنیفہ کے نصف سے زیادہ فتوے کیوں رد کر دیئے ۔ اسی طرح " محمد ابن حسن شیبانی ابویوسف کے بعد [illegible] ہے اور ابویوسف کے بہت سے فتوے رد کر دیئے ۔ اور اسی طرح ابوعبداللہ شافعی [illegible] بہت سے فتوے انھوں نے رد کر دیئے ۔ مثلاً ابوحنیفہ نے قیاس کو قبول کیا ہے ۔ [illegible] رد کر دیا اسلئے کہ جن احکام کیلئے نص ظاہری نہ ہو بلکہ ظن اور گمان سے [illegible] قبول کرنا دوسرے مجتہد کے ظن غالب سے متعلق ہوگا

آٹھویں ۔ کہیں گے کہ " اجتہاد کا دروازہ بند ہے " ۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ " اول یہ کہ ہمارے علماء کو اجتہاد [illegible]

کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم نے ایک ایسے حکم سے معارضہ کیا ہے جسکی کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی ثبوت اور ہم نے مستحکم دلیلوں سے اسکو رد کیا ہے۔ اسلئے کہ اجتہاد اور تقلید میں الجھکر ترتیب کے ساتھ اپنا مقصد حاصل کرنے کی قدرت ہم میں نہیں ہے۔

اور یہ کہدینا کہ "باب اجتہاد بند ہے" ایسا رکیک قول ہے کہ جسکو دلیل اور برہان سے دور کا بھی تعلق نہیں

اب ہم اُس اہم مسئلہ سے گفتگو کریں گے

ہم اقرار کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس قدر گہرا اور اہم ہے کہ جس سے بحث اور تشریح کرنا ہماری علمی قدرت اور فنی مشاہدہ سے بالکل خارج ہے۔ باوجود اس کے ہم اظہار خیال پر مجبور ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ کسی اسلامی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی قوی اور مستحکم دلیل و برہان پیش کرنا واجب ہے جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ ہم نے بارہا کہا اور پھر کہتے ہیں کہ دلائل دو قسم کے ہیں۔ عقلی اور نقلی۔ اور دلیل نقلی مستقل نہیں ہوتی۔ ہم یہاں اس مسئلہ پر پہلے عقلی دلیل سے بحث کریں گے

کیا صدر اسلام میں اجتہاد لازم تھا یا نہیں۔ اگر لازم نہ تھا تو کیوں اُس زمانہ میں اُس پر عمل ہوا اور آج اُس کا وجود اُس زمانہ میں تسلیم کر رہے ہو۔ اور اگر صدر اسلام میں لازم سمجھا گیا تھا تو چند صدیوں کے بعد کیوں رد کیا جا رہا ہے اور اسکی کیا دلیل ہے۔ اگر کہا جائے کہ صدر اسلام میں تمام احکام اسلامیہ اجتہاد ہی سے تکمیل پا چکے اور اب اُسکی ضرورت نہ تھی۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے [illegible] خدا کے زمانہ میں آیۂ شریفہ "الیوم اکملت لکم دینکم" کے نازل ہونے کے بعد دین اسلام کی تکمیل کیلئے اجتہاد کی [illegible] تھی [illegible] اس کے بعد کئی صدیوں تک اسلام میں اجتہاد کیوں جاری رہا۔ دلائل نقلیہ بیان کرنے سے قبل ہم اہلسنت [illegible] "دائرۃ المعارف" (انسائیکلوپیڈیا) سے اسی اجتہاد کے متعلق اُسکی اصل عبارت نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ دین اسلام میں اجتہاد ضروری سمجھا گیا تھا اور باب اجتہاد بند ہو جانا محض بے دلیل دعویٰ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

محمد وجدی [illegible] ۲۲۶ [illegible] دائرۃ المعارف" لکھی ہے تیسری جلد میں لکھتے ہیں "

[illegible] منها احکام علی قدر ما تستدعیه الحاجات الاجتماعیه المتجدد [illegible] کان وجود هؤلاء المستنبطین ضروریاً فی کل عصر وقد وجد وا من لدن الفجر [illegible] القرن الثالث فکانوا یجتهدون فی التوفیق بین الحوادث الطارئه [illegible] الاصول الادلیه [illegible] ع الاسلامی ولا یبالون ان یخالفوا بعضهم بعضاً ولکن [illegible] المسلمین الجمود [illegible] عی وتولاهم القصور عن فهم اسرار شریعتهم ستروا

ذالك القصور بدعوى انسداد باب الاجتهاد والحال انه مفتوح بنص الكتاب والسنة الى يوم القيٰمة

(ترجمہ) اجتہاد یعنی استنباط "موجودہ احکام سے ایسی بات پیدا کرنا جو اس وقت کی تمام اجتماعی ضرورتوں کے لئے مناسب ہو اور استنباط کرنے والوں کا وجود ہر زمانہ میں تھا۔ پہلی صدی سے تیسری صدی تک جو ضرورتیں پیش آئیں اُن میں اپنی اصول اسلامیہ کے موافق اجتہاد کرتے رہے اور باہمی اختلاف سے ڈرتے نہ تھے لیکن اس کے بعد جب اسلام میں جمود اور رکنا پیدا ہو گئی اور شریعت کے اسرار سمجھنے سے قاصر ہوئے تو اپنا قصور چھپانے کے لئے یہ بہانہ تراشا کہ "اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔" درآنحالیکہ نص قرآنی اور پیغمبر کے صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت تک اجتہاد کا دروازہ کھلا رہیگا۔" اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور پیغمبر کے احادیث سے اجتہاد قیامت تک باقی ہے اور اکابر امت بھی مانتے تھے تیسری صدی ہجری کے علما ظلم کرنے والی حکومتوں کے پیرو اور مقلد تھے اُن میں یہ قابلیت نہ تھی کہ احکام شرعیہ میں اجتہاد نہ کرسکیں۔ دنیا پرست علماء اور فقہانے مال دُنیا کی طمع میں اُس عہد کے حکام سلاطین اور خلفا کے خوف سے اُن کی مخالفت کی جرأت نہ کی اور اس ظالمانہ حکم کے تابع ہو گئے کہ "باب اجتہاد بند ہے"۔ ان کے بعد جو علما ان کے قائم مقام ہوئے انہوں نے اس نامعقول یا منقول حکم کو حکم شرعی سمجھکر سکوت کیا صحیح ترین روایات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ "باب اجتہاد بند ہونے کی بدعت "متوکل" کی یادگار اب تک باقی ہے۔

بیچاری امت مرحومہ بنی امیہ کے ظالموں کے ظلم سے چھوٹ کر ابھی آسودہ ہوئی تھی کہ دوبارہ اُن دونوں یعنی منصور اور متوکلوں کے مظالم اور خیانت کے بار گراں کے نیچے دب گئی۔ بنی عباس نے دیکھا کہ بنی امیہ تو ختم ہو گئے لیکن امت اسلامیہ کی توجہ اولاد فاطمہ کی جانب ہے لہذا انھوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہی رکھا جائے تاکہ حق بولنے والی امت مسلمہ کی زبان بند رہے۔ اسی وجہ سے شیعوں کے علما گوشہ نشین رہے یا تقیہ کر کے آلات سے بچ گئے اہلسنت کے بعض حق شناس علما خسارہ میں پڑ گئے۔ مثلاً مالک ابن انس کو خلیفہ "منصور" نے قید کیا اور پٹیا۔ اسلئے کہ حسن مثنیٰ کی اولاد سے "محمد ابن ابراہیم" نے مدینہ میں جب خروج کیا امام مالک کو اس سے تعلق تھا اور وہ اس مسئلہ میں دخیل تھے۔ امام ابوحنیفہ منصور کے حکم سے "انبار" میں قید ہوئے۔ خلیفہ کے حاجب "ربیع" کے ہاتھ سے پٹ کر قتل کر دیئے گئے اور احمد ابن حنبل "معتصم ابن ہارون" کے حکم سے قید ہوئے مار بھی کھائی۔

ہم کو اہلسنت کے اکثر علماء ایسے بھی ملتے ہیں جنہوں نے ظالموں کی آغوش محبت میں پرورش پائی اُن کے حسب مرضی احکام کی پیروی کی اور خلفائے جور کے نفس امارہ کو خوش رکھنے کی خاطر رہی کیا۔ جو انھوں نے کہا

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اکثر علمائے اہلسنت نے اپنی مؤلفہ کتابوں میں وارثان علم نبی یعنی اہلبیت سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ ان دنیا پرست علماء نے دنیوی معیشت کی خاطر جعلی حکام اور ظالم و جابر خلفاء کی پیروی اور اطاعت کر کے اُن ائمہ طاہرین سے کنارہ کیا جو علم اور دین کے حقیقی وارث تھے اور اُن کا یہ عمل بتدریج ترقی کر کے عصبیت تک پہنچ گیا اور اس مسلسل تفرقہ و نفاق کی وجہ سے آپس میں اختلاف کی مضبوط بنیاد پڑ گئی اور اس نے امت مرحومہ کو بدبختی کے گرداب ہلاکت میں ڈال دیا۔

تقیہ اُصول شرعی کی ایک اصل ہے جو نہ فقط جان و مال کی حفاظت بلکہ احکام شرعی کو محفوظ رکھنے کے لئے صرف یہی ایک قابل عمل قانون ہے۔ ہم نے دلائل نقلیہ سے اجتہاد کا دروازہ کھلا رہنا ثابت کر دیا اور سردست اسی پر اکتفا کرتے ہیں

آیتہ "فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون" نے مسلمانوں کو بحالت مجبوری اہل ذکر (علماء) سے مسائل شرعیہ پوچھنے کا حکم دیا اور قیامت تک یہ حکم عام ہے سب مسلمانوں کے لئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ صدر اسلام میں تو اجازت ہو کہ کسی مسئلہ شرعی کو نہ سمجھنے کی صورت میں کسی عالم دین سے پوچھ کر اپنی مشکل دور کر لیں لیکن ایک زمانہ گزرنے کے بعد اُسی مرد مسلم کی اولاد اپنے مسائل شرعیہ کسی عالم جامع الشرائط (مجتہد) سے پوچھنے کے لئے روک دی جائے

ہم اس کا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیوں اس دریافت سے روکا گیا

جبکہ اجتہاد کا لزوم نص قرآنی

اور رسولخدا کی معتبر حدیثوں سے ثابت ہے اور تمام مسلمان بھی اس کے مقر اور معترف ہیں اس کے بعد تین اسلامی صدیاں گزرتے ہی کونسی نص قرآنی سے پہلی نص قرآنی منسوخ ہو گئی۔ کہنا پڑے گا کہ خلفاء اور سلاطین احکام شرعیہ پر مسلط تھے

ہم نے کہا ہے کہ "جس مسئلہ پر شرعیہ کے سمجھنے سے مسلمان عاجز ہوں تو کسی عالم جامع الشرائط سے پوچھیں۔ جو عالم اپنے زمانہ کے تمام علماء سے زیادہ علم رکھتا ہو اور فتویٰ دینے کے تمام شرائط اُسمیں موجود ہوں اُسی کو "مجتہد اعلم" کہتے ہیں۔ وہی احکام شرعیہ میں فتویٰ دیتا ہے"۔ اور یہ بھی کہدیا ہے کہ "ہم اجتہاد کے مسئلہ کو حل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے"۔ اس مسئلہ کی توضیح اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ مسلمان کوشش کر کے اسکو حل کریں تو بیشک اُس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو مسلمان اسکو مطالعہ کرنا چاہیں وہ حسب ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔ "عقد الفرید فی احکام الاجتہاد

والتقلید" مؤلفہ علامہ دہلوی "الانصاف فی الاجتہاد والخلاف" مؤلفہ علامہ شاہ ولی اللہ۔ ان کتابوں کو غور و فکر سے ملاحظہ کرکے فیصلہ فرمائیں۔

ہم نے اس بحث کے لئے صرف علمائے اہلسنت کی کتابوں سے مدد لی ہے اور اب اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مقصد صرف یہی ہے کہ علیؑ ابن ابیطالب کی افضلیت سب پر ثابت کریں یعنی وہ حضرت بعد رسول اکرم سب سے افضل تھے۔ چنانچہ مناظرہ کے قواعد کے موافق جو کچھ ضروری تھا ہم نے اُسکو ثابت کردیا۔ یعنی پہلے تجربات عقلی اُس کے بعد اُن دلائل نقلیہ سے جو عالم اسلامی میں مستقل مانے جاتے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ آیات قرآنی اور وہ احادیث نبوی جو امت مسلمہ میں سب سے زیادہ اہم اور خاص و عام میں مقبول ہیں۔ قرآن مجید کی صرف دو آیتیں پیش کیں اور وہی احادیث لکھے ہیں جن کا ماننا امت مسلمہ پر واجب ہے۔ اگرچہ اس موضوع میں سینکڑوں حدیثیں ہماری نظر سے گزری ہیں لیکن بمصداق "اگر در خانہ کس است۔ یک حرف بس است" صرف چند احادیث لکھکر انہی پر اکتفا کی۔ اور بقیہ کو چھوڑ دیا۔

ہم اپنے اس دعویٰ کو کہ "علیؑ ابن ابی طالب بعد رسول خدا سب سے افضل ہیں" مستحکم دلائل سے ثابت کرنے کے بعد مسئلہ خلافت کی جانب توجہ کریں گے۔ کیونکہ امت مرحومہ میں سب سے زیادہ اختلاف کا اہم سبب یہی مسئلہ ہے۔ ہم نے اپنی علمی قدرت اور فنی تجربوں کی حد تک تحقیقت کی تشریح اور اس علمی موضوع کو حل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

ہم پر یہ اعتراض کریں گے۔

پہلا اعتراض یہ ہوگا کہ "صدر اسلام میں عہد خلافت تک ایک ہزار سال سے زیادہ زمانہ گزرا ہر صدی میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے۔ سب نے اس موضوع پر گفتگو کی۔ .. علماء سے نادان نہیں۔ یا اپنی رائے میں صائب تھے یا خاطی اگر صائب تھے تو گفتگو کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر خطا کار تھے تو ایسی حالت میں جبکہ مسلسل ایک ہزار سال تک دس ہزار معتبر علماء اس مشکل مسئلہ کو حل نہ کرسکے کیا اس مختصر رسالہ میں حل ہوسکیگا

اولاً مسلسل اتنی صدیاں گزرنے کے بعد باوجود اتنے مباحث اور مسلسل گفتگو کے یہ موضوع حل نہ ہوسکا یعنی نہ چاہا کہ حل ہو۔ سلئے کہ ایسے مشکل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تعصب۔ کدورت۔ اغراض۔ اور۔ امراض نفسانی) سے ہمیشہ دور رہنا چاہیئے اور اکثر وجوہ کی بنا پر یہ صفات علمائے اہلسنت کو نصیب نہ ہوئے۔ کیونکہ امت اسلامیہ میں پھوٹ ڈالنے اور اختلاف پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ یہی مسئلہ ہے۔ چنانچہ مسلمان اسی حالت میں بسر کرتے ہوئے دو جماعتوں میں تقسیم ہوگئے

ایک سنی جنہوں نے موجودہ طریقہ خلافت کو بغیر کسی اعتراض کے قبول کر لیا۔ دوسرے شیعہ جو بالکل اسکے خلاف کہتے ہیں اسی
افتراق سے فائدہ اُٹھانے کے لئے دونوں فرقوں کے سلاطین نے متعدد ذرائع اختیار کئے کہ جسطرح بھی ممکن ہو ان دونوں
میں اختلاف اور افتراق کا سلسلہ جاری رہے۔ مثلاً۔ بنی امیہ کے دور میں لکھی ہوئی تاریخ کے سیاہ اوراق گواہی دیرہے ہیں کہ
ایک مسلمان خلافت کے مسئلہ کو بیان کرنے کی یا حق کو ظاہر کرنے کی قدرت نہ رکھتا تھا اگر کسی کو اس سے انکار ہو تو ہم اُس ظالمانہ
دور کے رؤسا۔ جیسے۔ معاویہ۔ زیاد۔ اور۔ حجاج ابن یوسف کے نام بتلائیں گے۔ اگر کوئی شخص حضرت علیؑ کی فضیلت میں
روایت بیان کرتا تو معاویہ اُس کے ساتھ سخت سلوک کرتا اور اگر حضرت امیرالمومنین علیؑ کی ہجو لکھکر ممکنہ بہتان اور برائیاں
اُن سے منسوب کرتا تو معاویہ کی جانب سے غیر معمولی انعام پاتا۔ اسی وجہ سے اُس دور میں حق کو ناحق سے جدا کرنا محال تھا
یہ ایسے واقعات ہیں کہ جن سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

زیاد۔ اور۔ حجاج یہ دونوں خائن اور بدکار بھی ہماری نظروں میں ہیں۔ جب یہ محسوس کرتے تھے کہ ایک شخص علیؑ کی
محبت اور مودت رکھتا ہے اُسکو عذاب الیم میں مبتلا کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں بہت سے پاک نفس اور شہیر صحابی
ان ہی تہمتوں کا نشانہ بنکر قتل ہوئے۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اُس زمانہ میں علیؑ اور اولاد علیؑ کی دوستی گناہ عظیم تھی
جو لوگ اس زمانہ کے اندرونی حالات کا کچھ بھی علم رکھتے ہیں وہ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کر کے مان لیں گے۔ محض مطلب کو واضح
کرنے کے لئے اُس وقت کی چند مثالیں پیش کر کے ہم قارئین کرام کی توجہ اُن ظالمانہ عہد نبیت زدہ اور سیاہ کی جانب مبذول کرتے ہیں

ہم اسکی ابتداء خلافت سے کریں گے

جنہوں نے خلیفۂ اول کی بیعت سے انکار کیا وہ سب بنی ہاشم کے ساتھ علی ابن ابیطالبؑ کے مکان میں جمع ہو گئے
اور وہ لوگ جنہوں نے ہاشمیوں کو بیعت پر مجبور کیا علیؑ کے مکان پر پہنچکر اُنہوں نے شور مچایا۔ زبیر ابن العوام برہنہ تلوار لیکر
باہر نکل آئے۔ ان کے ہاتھ سے تلوار چھین کے پتھر پر مار دی اس تھوڑے سے عرصہ میں کسقدر تہدید۔ تخویف۔ ہنگامے اور
۔ دلخراش واقعات پیش... گزرے یقیناً (قارئین) جانتے ہیں۔ اور اگر نہیں جانتے تو
... ت وخلافت ... ابن خلدون۔ "عقد الفرید" بحث خلافت۔ شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید۔
... ی" کی جلد امامت وخلافت۔ "دائرۃ المعارف" بحث خلافت۔ "جاحظ" کی کتاب البیان والتبیین ابوالفرج
اصفہانی کی کتاب "اغانی" کے بارہ مجلدات۔ ان کے علاوہ علمائے سلف نے جو یادگار تصانیف چھوڑی ہیں۔ اُن سب کو

ملاحظہ فرمائیے تو اس عاجز کے دعوی کا ثبوت مل جائے گا اور آپ ضرور تصدیق فرمائیں گے۔ ہم یہ بھی عرض کئے دیتے ہیں کہ ہم نے یہاں صرف علمائے اہلسنت کے اقوال ہی اپنے دعوی کی تائید میں پیش کئے ہیں اور علمائے شیعہ اثناعشریہ کے اقوال سے کوئی سند نہیں لی۔

یہ جانتے ہوئے کہ وہ مکاریاں۔ حیلے۔ خیانتیں۔ اور حق تلفیاں جو جنگ جمل کا باعث ہوئیں۔ ہمارے دعوے کے سچے گواہ ہیں اس بحث کو ہم نے آئندہ اُس کے مناسب موقع کے لئے چھوڑ دیا ہے اور اب بنی امیہ کے ادوار کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

صفین کی دہشت ناک جنگ ہمارے سامنے ہے اسکی تفصیل بھی کسی مناسب مقام پر کریں گے۔ یہاں صرف چند دلخراش حالات کا ذکر کرکے انہی پر اکتفا کریں گے۔ حضرت علی ابن ابی طالب ؑ کی شہادت کے بعد تمام امور اسلامیہ پر معاویہ کا پورا پورا قبضہ ہوگیا یہانتک کہ امیرالمومنین اور خلیفہ کے القاب بھی اختیار کر لئے۔ صحابہ میں ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جس نے معاویہ کے یہ کفر آمیز کلمات اور مولائے متقیان پر (معاذاللہ) لعن نہ سنی ہو اور اسی طرح اسلاف میں ہم کو ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ اُس نے اپنی تصنیف میں معاویہ کے ان دل آزار کلمات پر تنقید و اعتراض کیا ہو۔ بیشک اس ظالمانہ دور میں خلافت کا استحقاق ثابت کرنے کی جرأت اور جسارت کسی سے ممکن نہ تھی اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کام یقیناً محال تھا۔

ایک روز معاویہ نے حسن مجتبیٰ کو مسجد میں بلوا کر خواہش کی کہ "آپ منبر پر جاکر فرمائیے کہ میں (معاویہ) مسلمانوں کی امامت اور خلافت کا سزاوار ہے"۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ حسن مجتبیٰ کی زبان صداقت ترجمان سے ایسی جھوٹی تعریف نکل سکے۔ حضرت نے منبر پر تشریف لیجاکر حق و حقیقت کا اظہار فرما دیا جو معاویہ کے مقصد و منشا کے خلاف تھا۔ اس نے بہت اہانت کے ساتھ منبر سے حضرت کو اس طرح اُتار دیا کہ مسجد کے ستون سے آپکا سر مبارک زخمی ہوگیا اور آخرکار اپنے طبیب خاص "ابن اثال" کے خاص تجویزہ زہر سے حضرت کو شہید کرادیا

حجر ابن عدی کو اور عمرو بن حمق خزاعی کو مع ان کے پانچ رفقا کے محبت علیؑ و اولاد علیؑ کے جرم میں قتل کرادیا۔

غور فرمائیے کہ ایسے زمانہ میں سچائی اور حق کے متعلق کون زبان کھول سکتا تھا

بنی امیہ کے دوسرے ادوار ملاحظہ ہوں

فرزدق شاعر اسلئے نکالدیا گیا کہ اہلبیت طاہرین کی مدح کیا کرتا تھا

اہلبیت کے غلام خاص "قنبر" حجاج ابن یوسف کے ہاتھ سے قتل ہوئے ۔

اب ہم آپ کو اُس زمانہ کے علماء کی حالت بھی بتاتے ہیں تاکہ اس ایک واقعہ سے اُس وقت کے تمام حالات آپ پر واضح اور روشن ہو جائیں ۔ مشہور عالم "شعبی" کہتے ہیں کہ ایک روز حجاج نے مجھے بلوایا۔ میں نہایت خوف وہراس کے ساتھ مجبوراً اُس کے سامنے حاضر ہوا ۔ مجھے دیکھتے ہی جلاد شعبی کو طلب کیا ۔جب وہ آگیا تو حجاج نے مجھ سے پوچھا "کیا تو نے کہا کہ حسنؑ اور حسینؑ رسول اللہ کی ذریت ہیں اگر آیات قرآنی سے کوئی دلیل پیش نہ کی تو یہ جلاد ابھی تجھے قتل کر دیگا" باوجود اپنی ہلاکت اور قتل کا یقین کرتے ہوئے بغیر کسی خوف کے میں نے کہا "ہاں قرآن عظیم الشان اسکو ثابت کرتا ہے" حجاج نے کہا "آیہ مباہلہ پیش نہ کرنا بلکہ دوسرے آیات دلیل میں پیش کر۔" میں نے کہا "ہاں دوسرے آیات سے بھی ثابت کرونگا" اور یہ آیت پڑھی "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا" الآخر آیہ "عِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ" اور حجاج سے پوچھا کہ عیسیٰؑ اور نوحؑ کے درمیان کتنی پشتیں گزریں" حجاج نے کہا "اتنی پشتیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں" میں نے کہا رسول اللہؐ اور حسنؑ وحسینؑ کے درمیان میں کتنی پشتیں ہوئیں ۔ حجاج میرا مطلب سمجھ گیا اور کہا کہ "مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن میں یہ آیت میں نے دیکھی ہی نہیں۔ اس واقعہ کے بعد بھی حجاج مجھے ہر وقت قتل کی دھمکی دیتا رہا اور میں نے چھپ چھپا کر کسی طرح اپنی جان بچائی" قارئین کرام بتائیں ۔کیا ایسے زمانہ میں کوئی تصور بھی کر سکتا تھا کہ حق وحقیقت کیا شئے ہے اور کون خلافت کا اہل و مستحق ہے۔

کسی قدر بنی عباس کے دور سے بھی گفتگو کریں

چونکہ یہ علماء اور مجتہدین کا پہلا دور تھا اسلئے اس زمانہ میں حقائق کا ظہور لازمی تھا ۔مگر افسوس ہزار افسوس کہ امت مرحومہ کے لئے یہ دور بدترین ومنحوس ثابت ہوا ۔اسی دور میں اہلبیت کی ہر فرد کو زہر ستم کا مقابلہ کرنا پڑا ۔ علیؑ اور اولاد علیؑ سے دشمنی رکھنے والوں کو جس قدر انعامات دیئے گئے اُسی قدر حق وحقیقت کے طرفداروں کو تباہ وبرباد کیا گیا ۔ اس کے علاوہ اکثر علماء کو ڈرانے اور قتل کی دھمکیاں دینے کے واقعات ہم لکھ چکے ہیں ۔ عباسیوں کے دور میں اس خلافت کی خاطر ائمہ اطہار کو کن کن مظالم اور شدائد کا مقابلہ کرنا پڑا ہم ہر ایک کا ذکر اس کے مناسب مقام پر کریں گے ۔ اب اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔

ہم نے کہا ہے کہ " علمائے سلف نے خلافت کے مسئلہ کی تحقیق کے لیئے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا" اسکو ثابت کرنے کے لیئے مزید دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صدر اسلام سے اس وقت تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی یہ مسئلہ تفریق و افتراق کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ کیا سوائے مسئلہ خلافت کے اور بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے جو امت مسلمہ کی باہمی تفریق و نفاق کا باعث ہو رہا ہو۔ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہی مسئلہ وحدت اسلامیہ کو لرزہ براندام کر رہا ہے۔ اور افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت بھی وہی حالت ہے۔

ہم نے سابق میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ لوگ ہم پر اعتراض کریں گے کہ جس مسئلہ کو ایک ہزار سال گزر گئے ہوں اسکو دھرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس مسئلہ نے امت کے درمیان ایسا بدبودار دنبل پیدا کر دیا ہے کہ جس سے ہمیشہ خون جاری ہے اور یہ مسلم ہے کہ اگر بغیر صحیح علاج کئے صرف زخم کا منہ بند کر کے چھوڑ دیا جائے تو رفتہ رفتہ اُس زخم میں خرابی پیدا ہو کر وہ ناقابل علاج ہو جائیگا۔ مناسب تو یہ ہوگا کہ جس زخم کا چنگا ہونا خاص طریق علاج پر منحصر ہے اُسی طرح اُس پر عمل جراحی کر کے اُسکو مندمل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح مسئلہ خلافت و امامت بھی امت مسلمہ میں متعفن دنبل کے مثل ناقابل علاج اور مہلک ہو گیا جس سے اسلام کی بنیادیں ہل رہی ہیں۔ اگر صاحبان تحقیق بغیر کسی ذاتی غرض کے اس پر محاکمہ کریں تو یقیناً اُس کا صحیح علاج ہو جائے گا اور وہ اتحاد اسلامی کہ جس پر اسلام کے استحکام کی بنیاد منحصر ہے متزلزل نہ ہوگی۔ اسلیئے ہم نے ارادہ مصمم کر لیا ہے کہ اُن علمائے اہلسنت کی تالیفات سے استفادہ اور استدلال کریں جو مشہور گزرے ہیں اور خدائے متعال سے توفیق طلب کر کے اس مسئلہ کی تشریح اور اُس پر محاکمہ کرتے ہیں

خلافت امیرالمومنین علی علیہ السلام

اس خصوص میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ حضرت امیرالمومنین خلیفہ ہیں۔ ہاں اگر اختلاف ہے تو اسمیں کہ وہ خلیفہ بلا فصل ہیں یا چوتھے۔ بیشک اہلسنت وجماعت اُن حضرت کے چوتھے خلیفہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور شیعہ اُن کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں۔ لہذا ہم علمائے متقدمین اور اساتذہ سلف کے خیالات صاف صاف لکھکر اُن کے اُصول اور تشریح پر کسی قدر غور کرنے کے بعد اپنا محاکمہ جاری کریں گے۔ تاکہ ان تمام دعووں کا بے دلیل ہونا واضح اور آشکار ہو جائے

اب ہم اہلسنت کے سب سے بڑے فاضل اور عالم جن کا نام فقط مسلمانوں تک ہی نہیں بلکہ اہل یورپ کی زبانوں پر

"حجۃ الاسلام امام غزالی" ہے اور ہم نہایت عزت و توقیر کے ساتھ اُن کا ذکر کریں گے۔ بلکہ اپنے اعتراضات میں امام غزالی کا پیروی کریں گے۔ چنانچہ امام غزالی اپنی مشہور تصنیف "احیاء العلوم میں بیان ارکان علم" میں لکھتے ہیں کہ "ان جاء القول من النبی قبلنا بالرأس والعین وان جاء من الصحابة ان شئنا قبلنا والا فلا فان جاء من العلماء التابعین هم رجال ونحن رجال" یعنی اگر رسول اللہ کا ارشاد ہو تو ہمارے سر اور آنکھوں پر اگر صحابہ کا قول ہو تو چاہیں قبول کریں چاہے نہ کریں اور اگر علمائے تابعین کا قول ہو تو وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر دلیل کے ہم علمائے تابعین کی اندھی تقلید نہیں کریں گے۔ غزالی نے کس قدر صحیح کہا ہے لہٰذا ہم بھی ان ہی کی پیروی کرتے ہیں یعنی جس طرح غزالی اپنے علماء کی پیروی بغیر دلیل کے کرنا نہیں چاہتے اسی طرح ہم بھی اُن کے اقوال کی پیروی بلا دلیل نہ کریں گے بلکہ اُن کے بلا دلیل اقوال پر اعتراض کر کے اپنا محاکمہ جاری کریں گے۔ چونکہ ہم اس خصوص میں انہی کے مسلک پر چل رہے ہیں اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ اُن کی روح ہم سے ناراض نہ ہوگی۔ حجۃ الاسلام غزالی نے (۲۰) جلدوں میں احیاء العلوم لکھی ہے۔ دوسری فصل کے چوتھے رکن میں لکھتے ہیں کہ "الاول فی الخلافة ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم ثابت بالاجماع لو کان النص موجوداً لعمل الصحابة به والا فهو نسبة الصحابة الی المخالفة وخرق الاجماع وذالك مما لا یجترء علی اختراعه الا الروافض واعتقاد السنة بتزکیة جمیع الصحابة والثناء علیهم" یعنی خلافت اجماع امت سے ثابت ہے اگر نص ہوتی تو صحابہ اُس پر ضرور عمل کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایسا دعویٰ ہے جسکے ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ نص ہو اور صحابہ نے اُس پر عمل نہ کیا ہو اور اس پر عمل نہ کرنے کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہی نص (اجماع) جسکی بناء پر دعویا خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تھے۔ جہاں بہت کم اصحاب شریک ہوئے اور وہ اس مسئلہ سے بے خبر تھے ان آٹھ دس صحابہ کی شرکت کو اجماع صحابہ سے تعبیر کر کے اسی کو "نص خلافت" نہ ہونے کی دلیل قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں (۳) مہاجر اور چند انصار سعد ابن عبادہ کو گھیرے ہوئے موجود تھے اور بس۔ اُس وقت جبکہ حضرت رسول کی نعش پاک ابھی دفن بھی نہیں ہوئی تھی عام اصحاب کا اُس اجماع میں شریک ہونا اسلامیت کے خلاف تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ارکان اہلبیت سے ایک بھی اس اجماع میں شریک نہ تھا اور نہ ہو سکتے تھے تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ اجماع سعد ابن عبادہ کی جانب سے پوشیدہ طور پر ہوا تھا۔ اسکی

اطلاع پاتے ہی مدعیان خلافت وہاں پہنچے اور اس نص کو پوشیدہ رکھا۔ بیعت کے چند روز بعد علیؑ نے مسجد میں آکر اپنے حق کا مطالبہ فرمایا۔ بعض مہاجر اور انصار نے جو اس وقت وہاں موجود تھے کہا کہ "اے ابوالحسن اگر بیعت سے قبل ہم کو معلوم ہوتا تو سوائے آپ کے کسی دوسرے کی بیعت ہم نہ کرتے"۔ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت علیؑ نے مسجد میں آکر ایک جماعت صحابہ کے سامنے اپنی خلافت کے متعلق نص رسول پیش کی جو اصحاب اس کے گواہ تھے انہوں نے اقرار کر لیا اور ابوبکر نے بھی خلافت قبول کرنے کے بعد ندامت ظاہر کی۔ اگر ان کو اس نص سے انکار ہوتا تو اس وقت ان کے اطراف جو لوگ جمع تھے علیؑ کے اس دعوی سے انکار کر کے اُن کو (علیؑ کو) مطمئن کر دیتے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ثقیفہ کے روز ابوبکر ابن ابی قحافہ نے عمر ابن خطاب اور ابو عبیدہ ابن جراح سے کہا کہ "اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تم سے بیعت کرتا ہوں" یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ تو تمام امت مسلمہ کا حق تھا نہ کہ صرف تین آدمیوں کا۔ ایسی صورت میں جبکہ صرف تین آدمیوں یعنی ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ جراح کے سوا مہاجرین سے کوئی تھا ہی نہیں اور علمائے سلف کی کتابوں سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے خصوصاً ابن خلدون کی جلد اول صفحہ ۷۷"۔ "عقد الفرید جلد سوم صفحہ ۶۳" اور "دائرۃ المعارف صفحہ ۷" ملاحظہ فرمائیے ان کے علاوہ اوروں نے بھی لکھا ہے لیکن ہم بہ خوف طوالت اُن سے قطع نظر کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں لازم یہ تھا کہ تمام صحابہ جمع ہو کر اسلام کے سب سے بڑے اہم مسئلہ کو نہایت گہری نظر سے مطالعہ کر کے اُس پر گفتگو کرتے تو نص کا ہونا یا نہ ہونا سب پر ظاہر ہو جاتا۔ اگر امت کا اجماع نہ بھی ہوتا تو تھوڑے سے اصحاب کبار ہی کافی تھے

اولاً یہ کیسا اجماع تھا کہ محور خلافت علیؑ ابن ابی طالب اور پیغمبر اکرمؐ کے چچا عباس ابن عبد المطلب بھی اس میں شریک نہ تھے اور بنی ہاشم کا ایک فرد بھی موجود نہیں۔ بیشک ثقیفہ کے ساتھ آٹھ افراد سے اسلام کا اتنا بڑا رکن اعظم طے ہونا کیسا بلکہ ایک معمولی عقد نکاح بھی منعقد نہیں ہو سکتا۔

دوسرے۔ ممکن ہے کہ جو اس اجماع میں تھے انھوں نے نص سنی ہو اور کسی وجہ سے اُس پر عمل کرنے سے تساہل کر رہے ہوں اور یہ خاموشی اُس زمانہ کے لحاظ سے ناقابل انکار ہے ہم اس خصوص میں ایک مثال پیش کرتے ہیں

خلیفہ سوم کے بعد جو اجماع ہوا اُس کے صدر "طلحہ" اور "زبیر" تھے انھوں نے رغبت اور رضامندی سے علی ابن ابی طالب کی بیعت کی۔ جب ان دونوں کے خواہشات پورے نہ ہوئے تو حج کا بہانہ کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے۔

اور فساد و خلل ڈالنے کے لئے اپنے مثل ایک بی بی کو آمادہ کرلیا۔ اور ان کو پردۂ عصمت سے باہر نکالا جس کا باقی رکھنا اُن پر شرعاً لازم تھا۔ جب ان کو بصرہ لے گئے وہاں کے عامل "عثمان ابن حنیف" نے طلحہ اور زبیر سے پوچھا کہ "کیا تم دونوں نے علی ابن ابیطالب کی بیعت کی ہے انھوں نے کہا ہم نے جبر اور کراہت کے ساتھ علی ابن ابیطالب کی بیعت کی تھی اور اب اس بیعت سے تبرا کرتے ہیں۔ تصفیہ یہ قرار پایا کہ ایک صحابی مدینہ منورہ جاکر وہاں کے صحابہ سے طلحہ و زبیر کی بیعت کا حال دریافت کرکے آئے ایک قاصد روانہ ہوکر جمعہ کے روز مدینہ طیبہ پہنچا جبکہ تمام صحابہ نماز جمعہ کیلئے مسجد میں موجود تھے۔ قاصد نے کھڑے ہوکر اپنا مقصد اس طرح بیان کرنا شروع کیا "اے اصحاب رسول خدا طلحہ و زبیر نے امت کے درمیان فساد کا بیج بویا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جبر اور زور سے علیؑ کی بیعت کی ہے۔ اب آپ بتائیں کہ طلحہ و زبیر کی بیعت خوشی اور رضامندی کے ساتھ تھی یا ...... " تو ظاہر ہے کہ تمام صحابہ واقف تھے کہ انھوں نے خوشی سے بیعت کی تھی۔ اس کے علاوہ سچی شہادت دینا ... امت کے درمیان اصلاح کرنا حاضرین کا فرض تھا۔ صاف صاف کہدیتے کہ "انہوں نے اپنی خوشی اور رضامندی سے بیعت کی ہے" لیکن ایک نے بھی اپنا حق ادا نہ کیا۔ سب صحابہ خاموش رہے۔ اسامہ ابن زید نے جھوٹی شہادت دینے کی جرأت کی اور کہہ دیا کہ "طلحہ اور زبیر کی بیعت جبر اور قہر سے تھی"۔ اب ملاحظہ فرمائیے جو جماعت آفتاب سے زیادہ روشن واقعہ سے انکار ... اور اقرار کے بعد پلٹ جائے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ نص امامت سے بھی پلٹ جائے اور انکار کردے

ہم قارئین کرام سے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے صحابہ کرام کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی بلکہ ہمیشہ اُن کا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ ساتھ ہی اپنی تحقیقات کے موافق محاکمہ جاری کرنے میں اور حق و صداقت کے اظہار میں مطلق پروا نہ کریں گے بیشک ہم اس اجماع کے دعوے کو بے دلیل سمجھتے ہوئے اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنے دعوے کو مستحکم دلائل سے ثابت کرکے کہتے ہیں کہ ـــ

اہلسنت کے مشہور بڑے عالم "عبدالربہ" اپنی کتاب "عقد الفرید" جلد سوم کے صفحہ (۷۷) پر اس طرح لکھتے ہیں کہ ومن الذین امتنعوا من بیعۃ ابی بکر "علی بن ابیطالب" و "عباس بن عبد المطلب و زبیر بن عوام فجمعوا فی دار علی فذھب عمر بن خطاب الی باب علیؑ ولم یجیبوا فقال عمر لعصابتہ علی بقبس نار فقالت "فاطمہ" یا عمر اتحرق بیتی ؟

(ترجمہ) اور جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا علی ابن ابی طالب۔ عباس بن عبدالمطلب اور زبیر ابن عوام تھے اور سب علیؑ کے مکان میں جمع تھے۔ اُس وقت عمر ابن خطاب علیؑ کے دروازہ پر پہنچ گئے کسی نے جواب نہ دیا عمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "آگ لادو" "فاطمہؑ نے فرمایا" "اے عمر کیا تم میرا گھر جلادوگے"۔ اس جاں گداز واقعہ سے ثابت ہورہا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب۔ رسول اللہ کے چچا عباس ابن عبدالمطلب۔ اور۔ زبیر ابن عوام ابوبکر کی بیعت نہ کرکے علی ابن ابی طالب کے مکان میں جمع ہوئے تھے! اسی لئے عمر نے چند آدمیوں کے ہمراہ علیؑ کے مکان پر جاکر اُن حضرت اور اُن کے ساتھیوں سے بیعت طلب کی لیکن علیؑ اور اُن کے ساتھیوں نے قبول نہ کیا۔ اُس وقت عمر نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ مجھے تھوڑی سی آگ لادو رسولؐ کی بیٹی فاطمہؑ زہرا نے فرمایا "اے عمر کیا تم میرا گھر جلادوگے"۔

فرید وجدی اہلسنت کے عالم نے (۲۲) جلدوں میں "دائرۃ المعارف" لکھی ہے۔ اسی کتاب کی تیسری جلد سے ہم اصل عبارت نقل کرتے ہیں۔ امتنع علی بن ابیطالب وجماعۃ عن بیعۃ الی بکر فذھب الیھم عمر فی عصابۃ فیھا "اسید بن حضیر" و "سلمۃ بن اسیم" وغیرہ فحمل "زبیر" بسیفہ فقال علیکم بالرجل فوثب علیہ "سلمہ" فاخذ السیف واخذ علیؑ الی ابی بکر لیبایع فحاج علیؑ (ع س) فقال ابوبکر لا اکرہ

فقال عمر انک لست متروکا حتی تبایع فقال علیؑ (ع) احلب حلبا لک شطرہ وشددہ ویردہ غدا فحمل علیؑ فاطمۃ علی دابۃ وسعی الی بیوت الاصحاب"۔

یہ چند سطور اہلسنت کی اہم ترین کتاب "دائرۃ المعارف" جلد سوم صفحہ (۷۵۰) سے لفظ بہ لفظ ہم نے نقل کئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے "علیؑ نے ابی بکر کی بیعت سے انکار کیا۔ عمر آنحضرت کے پاس ایک جماعت کے ہمراہ گئے اور بیعت طلب کی۔ زبیر نے عمر اور اُن کے ساتھیوں پر تلوار سے حملہ کردیا۔ عمر نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ سلمہ نے زبیر کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور علیؑ کو بیعت کے لئے ابی بکر کے پاس لے گئے۔ علیؑ نے اپنا حق ظاہر فرمایا۔ ابوبکر نے کہا کہ "میں آپ پر جبر نہیں کرتا۔ مگر عمر نے کہا کہ" جب تک بیعت نہ کروگے چھوٹ نہ سکوگے "علیؑ نے فرمایا" تم اُس چیز کے لئے کوشش کر رہے ہو جس میں نصف حصہ تمہارا ہے۔ آج ابوبکر کے لئے خلافت مضبوط کر رہے ہو تاکہ وہ کل تمہاری جانب لوٹادیں"۔ علیؑ فاطمہ زہراؑ کو گھوڑے پر سوار کرکے ہر ایک صحابی کے گھر گئے اور سب سے اپنا حق طلب کیا"۔

اے میں کتاب کے پڑھنے والو ذرا غور وفکر سے اس کا مطالعہ کرو۔ اس ہنگامہ اس گیر و دار۔ اس حملہ آور ہجوم کے بعد کس طرح اجماع ثابت کرنا ممکن ہو سکیگا۔ اگر امت نے اجماع کیا تھا تو پھر یہ حملہ اور ہنگامہ کیا۔ کیا علیؑ حسنؑ حسینؑ عباس ابن عبدالمطلب۔ اور زبیر ابن عوام افراد امت سے نہ تھے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ فاطمہ زہراؑ کا دعویٰ غلط تھا کیا فاطمہ زہراؑ کا دعویٰ عین رسولؐ کا دعویٰ نہ تھا

یہ تو صاف طور سے ظاہر ہوگیا کہ ابوبکر علیؑ کا مطالبہ رد کرنے پر قادر نہ تھے اور انہوں نے کہہ دیا "میں آپکو بیعت کرنے پر مجبور نہیں کرتا" یہانتک کہ خلافت قبول کرنے و دش ہاں جسے اہلسنت و جماعت کی تمام تالیفات سے یہی ثابت ہے کہ ابوبکر نے کہا "اے ابالحسن اگر میں جانتا تو خلافت قبول نہ کرتا" لیکن عمر کو کیا ہو گیا وہ خود بخود علیؑ کے مکان پر کیوں گئے کیا وہ خلیفہ تھے یا خلیفہ کے سپاہ کے سردار۔ افسوس کہ یہ سیاہ داغ تاریخ کے دامن سے مٹ سکتا ہے اور نہ اسکی اصلاح ممکن ہے۔

خلافت دوم

اب ہم خلیفہ دوم کے تعین اور انتخاب پر کچھ گفتگو کر کے اس پر محاکمہ کریں گے۔

یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ خلیفہ اول نے ایک عہدنامہ (تحریر) کے ذریعہ سے عمر کو خلیفہ بنا دیا اور اسی تحریر کی بناء پر لوگوں نے عمر ابن خطاب سے بیعت بھی کر لی۔ یہ تعین ہوگا نہ کہ انتخاب۔ کیونکہ تعین اور ہے اور انتخاب و اجماع اور اب ہم چند سوالات کرتے ہیں۔

اولاً۔ اسلام میں خلیفہ کا تعین لازم ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو رسول اللہ نے اس پر عمل فرمایا یا نہیں۔ اگر رسول اللہ نے عمل نہیں فرمایا تو خلیفہ اول کا یہ فعل بدعت ہے یا نہیں۔

ہم پھر کہتے ہیں

خلیفہ اول کا اپنی جانب سے ولیعہد مقرر کرنا قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ جب خلیفہ کی تعیناتی کا حق امت مسلمہ کو ہی حاصل ہے تو ایک خلیفہ امت کو اس کے حق سے محروم کر کے کسی دوسرے کو اپنی جانب سے نہیں بنا سکتا۔ چاہے وہ شخص مستحق خلافت ہی کیوں نہ ہو۔ اگر خلیفہ کو یہ اختیار تھا تو معاویہ کی جانب سے یزید کی ولیعہدی کے اعلان کو تمام صحابہ اور جملہ مسلمین کا قبول نہ کرنا بالکل بے معنی ہوگا اور ان دونوں خلافتوں کی شکل ایک ہی ہے

خلیفہ سوم کیلئے جو مجلس شوریٰ مقرر کی گئی اُس پر بھی کچھ گفتگو کر لیں

ہم بار بار یہی کہتے چلے آ رہے ہیں کہ "موسعِ خلافت" کے مُسر ہیں اُن کو ماننا چاہیئے کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق اجماعِ مسلمین کو ہی حاصل ہے۔ لیکن اس اجماع کا صرف نام ہی نام ہے اور نتیجہ کچھ اور ہی ظاہر ہوا۔ چنانچہ پہلی اور دوسری خلافت کے متعلق ہم نے ثابت کر دیا کہ اسکو حقیقی معنی میں اجماع نہیں کہا جاتا۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ خلیفہ سوم کے وقت جو مجلس شوریٰ قرار دی گئی اُسکو اجماع سے کس قدر تعلق ہے۔ خلیفہ ثانی نے اپنی دس سالہ مدت خلافت میں [illegible] کے ساتھ جو خدمات انجام دیئے ہم ضرور اُن کی تعریف کریں گے۔ لیکن اُس زمانہ کے دوسرے واقعات کے اظہار [illegible] کرنے میں دریغ بھی نہ کریں گے

۱۔ خلیفہ ثانی نے انتخابِ خلیفہ کے لئے چھ صحابہ کی مجلس شوریٰ بنائی اسکو نفس کہہ سکتے ہیں نہ انتخاب ولیعہد اور نہ اجماع۔ اسلئے کہ کسی ایک کی خلافت کی صراحت نہ کی یا کسی ایک کو ولیعہد مقرر نہ کرنا اور اجماع جو تمام مسلمین کا حق ہے صرف چھ آدمیوں کے حوالہ کر دینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا یہ مجلس شوریٰ "اجماع" نہیں کہلائے گی

۲۔ خلیفہ ثانی ان چھ اشخاص کے متعلق کتنے ہی دلائل پیش کریں پھر بھی ان کو بہت [illegible] سے دو چار ہونا پڑیگا۔ اگر کہا جائے کہ چھ صحابی تھے تو کیا ان کے علاوہ ہزاروں صحابی نہ تھے۔ اگر کہیں [illegible] اور بھی بدری اُس وقت موجود تھے۔ اگر اُن کی تعریف میں پیغمبر اکرم کی کوئی حدیث بتلائیں [illegible] پیغمبر اکرم کی وہ حدیث پیش کریں گے جو ارشاد ہوا کہ "[illegible]" [illegible] بلکہ باستثنائے علی ابن ابیطالب [illegible]

۳۔ خلیفہ ثانی نے ان ہی چھ میں سے "عبدالرحمن ابن عوف" کو صدر منتخب کیا [illegible] ترجیح بلا مرجح ہے۔

۴۔ [illegible] کو مامور کیا ہے کہ اگر چھ روز تک [illegible] ہم کہتے ہیں کہ یہ حکم نہایت نامناسب تھا [illegible] بلکہ وہ اپنے مسلمہ حقوق طلب کر رہے تھے [illegible] بنا بر ایں ممکن تھا کہ خلیفہ نے دین میں کچھ تاخیر [illegible]

ثانی ان چھ اُمیدواران خلافت کو قتل کر دیتے تو اسکی ذمہ داری کس پر ہوتی اور کون جواب دہ ہوتا

۵۔ خلیفہ ثانی نے ان ہی چھ اصحاب سے ہر اک کو کسی نہ کسی عیب سے متہم کر کے اپنی چھ میں سے ایک منتخب کرنے کا کام دیا

۶۔ خلیفہ ثانی نے حکم دیا کہ اُن کے فرزند" عبد اللہ" مجلس شوریٰ یا شریک رہیں۔ لیکن کوئی رائے نہ دیں۔ اور حسن مجتبیٰ و ذریت رسُول کو بالکل بھول گئے درانحالیکہ حسن مجتبیٰ اُس وقت سب سے زیادہ احق اور اس مسئلہ سے خاص تعلق رکھتے تھے

۷۔ خلیفہ ثانی نے رسول اللہ کے چچا" عباس ابن عبد المطلب کو مجلس شوریٰ میں شریک نہیں کیا۔ درآنحالیکہ اُس مجلس کے پانچ ارکان میں سب سے زیادہ ہی نالائق تھے۔

۸۔ خلیفہ ثانی نے مجلس کے ہر رکن کو نا اہل قرار دیتے ہوئے علیؑ کے حق میں یہ فرمایا **ھذا الرجل مکفی امورکم لولا دعابته لھا ای الخلافة** خلیفہ نے طلحہ۔ زبیر۔ عثمان۔ عبد الرحمن۔ اور سعد کا نام لیکر کہا کہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی عیب کی وجہ سے خلافت کے قابل نہیں ہے[1]

---

[1] حاشیہ۔ بزم شوریٰ کے لئے قرعہ انتخاب جب ان چھ ناموں پر پڑا تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو بلاؤ چنانچہ یہ لوگ آئے آپ نے ان سب کی طرف دیکھا اور فرمایا کیوں؟ تم میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ خلافت اسکو دی جائے سب چپ رہے تو پھر حضرت عمرؓ نے کہا بولو! تم میں سے ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ میرے بعد خلافت اسکو ملے" زبیر نے بڑھکر کہا اور اس منصب سے ہمیں ہٹا کون سکتا ہے جب تم خلافت کے مالک ہو گئے درانحالیکہ ہم تم سے کسی مرتبہ میں کم نہیں اور کسی حیثیت سے کم نہیں نہ سبقت کے اعتبار سے اور نہ قرابت کے اعتبار سے "(ابو عثمان جاحظ نے لکھا ہے کہ چونکہ زبیر کو یقین تھا کہ عمر مر جائیں گے اس لئے انھیں اتنا کہنے کی جرأت ہوئی ورنہ عمر کی ہیبت کا خیال کرتے ہوئے کوئی کچھ بھی نہ کہہ سکتا" حضرت عمر نے یہ سن کے کہا کہ اچھا میں اب تم لوگوں کے لئے اپنی رائے کا اظہار کروں۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کے لئے جن کے لئے یہ فرما چکے تھے کہ رسولؐ ان سے راضی اُٹھا اور جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں تھا اور جو نہا حرین میں تھے اور جو رسولؐ سے قرابت قریبہ رکھتے تھے وغیرہ وغیرہ اُن کے لئے فرماتے ہیں۔

اچھا سنو زبیر تم تو مومن الرضا اور کافر الغضب ہو راضی ہوئے تو یوں کہ کوئی انتہا نہیں اور غصہ کیا تو ایسا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ ایک دن تم انسان رہتے ہو اور دوسرے دن شیطان ہو جاتے ہو اگر تمہیں خلافت سپرد کی جائے تو تمہاری رعایا اور قوم میں ایک تلاطم خیز طوفان برپا ہو جائے اور تھوڑے سے جَو پر جھگڑے ہوتے ہوئے دکھائی دیں

البتہ فقط یہ مرد (علی ابن ابیطالب) اس کا اہل ہے کہ تمہارے تمام اُمور انجام دے سکے۔ اگر وہ حریص نہ ہوتے تو میں اُن کو خلافت دیدیتا۔

اس خصوص میں بغداد کے سب سے بڑے عالم اہل سنت علامہ ابن ابی الحدید نے شرح "نہج البلاغہ" میں نہایت تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات آشکار ہوئے جنکو ظاہر کرنے سے ایک حقیقت شناس قلم رکتا ہے۔ سب سے زیادہ افسوسناک نکتہ یہ ہے کہ خلیفہ ثانی کے کلام سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ امیرالمومنین کو خلافت کیلئے سب سے زیادہ اہل اور لائق سمجھ رہے تھے۔ اگر ان کو اسلام کی بقا اور مسلمانوں کی بھلائی کی آرزو تھی تو خود انہی کے اقرار و اعتراف کے موافق چاہئیے تھا کہ خلافت کے [illegible] جوان امور کو انجام دینے پر قادر اور اس مقام پر بیٹھنے کا ہر طرح سزاوار تھا [illegible] نفاق کی بنیاد ڈالیں اور تمام عالم اسلامی کے حقوق قیامت تک پامال [illegible] اختلافات اور فرقے [illegible] جو عالم اسلامی کی بنیادوں کو متزلزل کررہے ہیں سوائے اس مسئلہ خلافت کے اور بھی کوئی مسئلہ [illegible] خلافت ان تمام اختلافات کا باعث ہورہا ہے [illegible] شوریٰ عقل و نقل دونوں کے خلاف تھا اسلئے [illegible] حقیقت [illegible] خلاف کہتے ہیں۔ اب ہم غزالی کا کلام پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "اگر نص ہوتی تو اصحاب مخالفت نہ کرتے۔ ہم نے جواب دیا ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۴) تو یہ بتاؤ کہ تم جس دن شیطان ہوگے اس دن خلافت کون کرے گا اور تمہارے غصہ کے دن کون امام ہوگا۔ خدا تمہیں خلافت نہ دیگا درآنحالیکہ تم میں یہ شکایت موجود ہو۔

پھر آپ طلحہ کی طرف مخاطب ہوئے اور چونکہ انھوں نے [illegible] خلافت پر شدید نکتہ چینی کی تھی جیسا کہ گزرا لہذا آپ ان سے بہت ناراض تھے آپ نے کہا کہ طلحہ کچھ کہوں یا چپ رہوں۔ طلحہ نے کہا جی نہیں ضرور فرمائیے چپ کیوں رہیئے۔ اور یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپکے منہ سے اچھی بات نہ کبھی نکلی ہے نہ نکلے گی عمر نے کہا ایسا ہے میں تم کو اس دن سے جانتا ہوں جس دن سے کہ تمہاری انگلی [illegible] کی جنگ میں کام آئی [illegible] و قوت [illegible] رسول اللہ [illegible] وفات [illegible] اتری تھی۔

ابو عثمان جاحظ نے اس گفتگو [illegible] کے دن طلحہ کے منہ سے نکلا تھا یہ ہے کہ جب آیت

وہ ممکن ہے نص موجود ہو اور اصحاب کو اس کا علم نہ ہو یا علم ہو اور انھوں نے عمداً اس پر عمل نہ کیا ہو۔ مگر اب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ "وہ نص موجود ہے" اور اپنے فیصلہ کے سب سے بڑے روا ارکان یعنی دلائل عقلی ونقلی سے اپنا دعویٰ ثابت کرتے ہیں پہلے اختصار کے ساتھ دلیل عقلی اور اس کے بعد دلائل نقلی پیش کریں گے۔

ہمارے چشم دید تجربات شاہد ہیں کہ خاتم انبیاء نے دین مبین اسلام کی نشر واشاعت میں جس قدر سعی فرمائی اُسی قدر اُسکی حفاظت وحمایت میں بھی حضرت نے کوشش کی اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ دین محمدی جس قدر عاقبت کی نیکیاں حاصل کرنے کی تاکید فرماتا ہے اُسی قدر دُنیا کے معاشی امور کے انتظام کا بھی حکم دے رہا ہے۔ لہذا اسلام کے ان دونوں اہم احکام کو قیامت تک باقی رکھنے اور اجانب کے حملوں کو دفع کرکے ہمیشہ جاری رکھنے کے لئے ایسے ہی شخص کے حوالہ کیا جائے جو احکام دین الٰہی کا سب سے بڑا عالم ہو اور اُسکو غیروں کے حملوں سے بچاکر اُسکی حفاظت کی قوت اور قدرت رکھتا ہو اور یہ بھی آشکار ہے کہ رسولخدا اپنی موت سے واقف اور ہر وقت کے منتظر تھے۔ لہذا ایسی صورت میں آنحضرت کو دین اسلام کی حمایت اور حفاظت کا سب سے زیادہ خیال ہونا چاہیئے۔ اسلئے کہ آپ سب سے زیادہ اس سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وقت دین ودنیا کے تمام اُمور ایسے شخص کے حوالہ کرنا جو لائق اور اہل ہو۔ یہ ایسی بات ہے جسکو عقل اور احساس

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۵) اُتری تو طلحہ نے کہا کہ اس آیت کے اُترنے سے کیا فائدہ کل رسول اللہ مر جائیں گے اور ان کی بیبیوں سے ہم عقد کریں گے۔

پھر سعد بن ابی وقاص کو مخاطب کیا اور کہا کہ تم لوٹ مار کے عادی قدر اندازی اور کمان کشی کے دلدادہ تمہیں یا بنی زہرہ کو خلافت سے کیا لگاؤ۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف خطاب کیا اور کہا سنا عبدالرحمٰن اگر نصف ایمان مسلمین کا وزن تمہارے ایمان سے کیا جائے تو تمہارے ہی ایمان کا پلہ بھاری نکلیگا۔ مگر یہ کہ تمہاری رائے میں اور تم میں وہ کمزوری ہے کہ خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بنی زہرہ کو خلافت سے کیا تعلق

پھر امیرالمومنین علی علیہ السلام کی طرف مڑے اور فرمایا بھائی کتنا اچھا ہوتا اگر تم کو خلافت ملتی تو تم لوگوں کو حق واضح اور دلیل روشن کی طرف لیجاتے۔ مگر یہ کہ تم میں مزاحی مادہ ہے اور ذرا طبیعت میں تمہاری ظرافت ہے

پھر آپ عثمان ابن عفان کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا اُوہو تم اے عثمان میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ گویا قریش نے خلافت تمہیں سپرد کر دی کیونکہ تم اس پر مٹے جا رہے ہو اور تم نے بنی امیہ اور بنی ابی معیط کو سر چڑھایا اور لوگوں کے سروں پر سوار کر دیا

دونوں نہایت آسانی کے ساتھ قبول کریں گے کیونکر بصورت خلاف جماعت اسلامیہ میں تفرقہ اور اُمت میں اختلاف پڑجانا یہ ایسے تجربے ہیں کہ عقل ہمیشہ دیکھ رہی ہے۔ لہذا رسول خدا کا ایک شخص معین کو اپنا وصی قرار دینا واجب تھا اب اختصار کے ساتھ دلائل نقلیہ لکھکر اپنا مقصد ثابت کرتے ہیں

۱۔ جتنے انبیاء و مرسلین کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں بتلائے گئے ہیں سب نے اپنے امور شرعیہ کی حفاظت اور انجام دہی کے لئے اپنا ایک وصی ضرور مقرر فرمایا۔ لہذا رسولخدا پر بھی لازم تھا کہ بتعمیل حکم الٰہی "فبھدٰھم اقتدہ" اُن کی پیروی کرکے اپنا وصی بھی مقرر فرمائیں۔

۲۔ یہاں جو احادیث لکھے گئے ہیں وہ امت کے تمام خاص و عام کے مقبول ہیں۔ خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم جو ہماری معتبر ترین کتابیں ہیں اور جن کی احادیث معتبرہ میں کسی کو ذرہ برابر شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے بھی یہ احادیث لکھی ہیں۔ جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسولخدا نے ایک شخص کو اپنا وصی قرار دیا اور وہ سوائے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے دوسرا نہ تھا۔ کیونکہ پیغمبر اکرم نے غدیر خم میں چالیس ہزار اصحاب کے مجمع میں فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ"۔ بیشک یہاں ولی سے مراد "ولی امر" ہے۔ اگر محبت و مودت مطلوب ہوتی تو اُس قدر اہتمام کے ساتھ لوگوں کو جمع کرکے اتنی اہمیت دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرت نے علی ابن ابیطالبؑ کی محبت و مودت کا حکم امت کو بارہا دیا ہے اور کبھی اہمیت نہیں دی۔ مثلاً۔ آپ نے فرمایا "حب علی [illegible]" (علیؑ کی محبت نیکی ہے) یا "من احب علیا فقد احبنی" جس نے علیؑ کو دوست رکھا اُس نے مجھے دوست رکھا وغیرہ۔ لیکن یہاں (غدیر میں) ولی سے وصی اور ولی امر ہی مراد ہے۔

۳۔ حدیث منزلت ثابت کررہی ہے کہ رسولخدا نے علیؑ کو اپنا خلیفہ قرار دیا کیونکہ علیؑ کا [illegible]

حاشیہ بقیہ صفحہ (۵۶) پھر گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ان لوگوں کو بہت کچھ دیا اور عرب کی بھیڑیوں کا ایک گروہ تمھاری طرف بڑھ رہا ہے جس نے تمھیں تمھارے بچھونے پر ذبح کر دیا۔ خدا کی قسم اگر انھوں نے خلافت تمھیں دی تو تم ایسا ہی کروگے اور جب تم ایسا کروگے تو وہ تمھیں ذبح کئے بغیر چھوڑیں گے نہیں۔ پھر حضرت عثمان کے سر کے بال پکڑ کر کہا دیکھو عثمان جب ایسا وقت آئے تو میری پیشنگوئی کو ضرور یاد کرلینا۔ یہ تمام [illegible] نے کتاب اصفہانیہ میں درج کئے ہیں اور ابن ابی الحدید نے اس سے نقل کیا ہے۔

... وہ ان کا مقصد ہو نہیں سکتا۔

۴۔ حدیث "خاصف النعل" علیؑ کی امامت پر ثبوت کی بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ جس طرح میں نے قرآن کی تنزیل پر جہاد کیا ... علیؑ قرآن کی تاویل پر جہاد کریں گے۔" اور وہ شخص خاصف النعل یعنی اپنی نعلین کو پیوند لگا رہا ہے (... علی ابن ابی طالب ہیں) بیشک اس حدیث سے واضح ہے کہ قرآن کے مفہوم اور معنی پر حقیقی جہاد کرنے والا ... ہوگا۔

۵۔ امام حسن بصری ایک روایت میں فرماتے ہیں ... رسولِ خدا نے فرمایا "انت یا علی منی وانا منك وانت ولی کل مومن بعدی" (اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے اور تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو) اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بعد رسول خدا کے علیؑ ابن ابی طالب تمام مومنین کے ولی اور صاحب ... ہیں۔ اگر ولی سے مقصود مودت اور محبت ہوتی تو "بعدی" فرمانے کی ... ضرورت نہ تھی کیونکہ جس طرح رسول کی حیات میں علیؑ کی محبت و مودت لازم تھی اُسی طرح رسول کے بعد بھی لازم تھی۔ لفظ "بعدی" سے ثابت ہو رہا ہے کہ مقصود ولایت امر ہے نہ کہ محبت و مودت

۶۔ امام اور مجتہد "احمد ابن حنبل" اپنی "مسند" میں عبداللہ ابن حنطب" سے روایت کرتے ہیں کہ ... نے فرمایا" یَا بَنِيْ وَلِيعَةَ لَتَنْتَهُنَّ اَوْلَا بَعَثَنَّ رَجُلًا كَنَفْسِي يَمْضِي ... اَمْرِي وَيَقْتُلُ الْمُقَاتِلَةَ وَيَسْبِي الذُّرِّيَّةَ فَالْتَفَتَ اِلٰى عَلِيٍّ فَاَخَذَ يَدَهٗ فَقَالَ هُوَ هٰذَا "یعنی اے بنی ولیعہ تم محو ہو جاؤ گے یا میں ایک ایسے شخص کو مامور کروں گا جو مثل میرے نفس کے ہوگا وہ تم پر میرا حکم جاری کرے گا اور تمہاری اولاد کو قید کرے گا۔ یہ فرما کر علیؑ کی جانب ملاحظہ فرمایا اور اُن کا ہاتھ تھام کر ارشاد فرمایا۔" وہ مرد یہی ہے"۔ یہ حدیث بصراحت دلالت کر رہی ہے کہ رسولِ خدا کی جانب سے اُمت کی نگرانی کے لئے علیؑ ابن ابیطالب مامور تھے۔ اور یہ امامت کی صریح نص ہے

۷۔ سورۂ برأۃ کی تبلیغ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ علیؑ ابن ابیطالب اُمت کے تمام امور میں ولی امر تھے۔ کیونکہ ... اول کو یہ سورہ دیکر" مکہ معظمہ" بھیجا گیا۔ اسی اثناء میں وحی خداوندی نازل ہوئی اور آنحضرت کو حکم ... علی ابن ابیطالب کو دیا جائے وہی خصوصیت کیساتھ ان احکام کی تبلیغ کریں۔ چونکہ خدا کی جانب

سے حکم تھا کہ احکام کی تبلیغ۔ نبی۔ یا۔ وصی۔ یا۔ ولی۔ کے لئے مخصوص ہے اور رسولخدا کے وصی علی ابن ابیطالبؑ تھے اسی بناء پر پیغمبر اکرم نے علیؑ کو حکم دیا کہ سورۂ براۃ ابوبکر سے لیکر وہ خود تلاوت کریں

۸۔ تمام غزوات میں علیؑ حاکم تھے اور خلفائے ثلاثہ کو کسی غزوہ میں کسی پر حاکم نہیں بنایا گیا۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ علیؑ ابن ابیطالب خدا کے حکم سے حاکم بنائے گئے تھے اور خلفائے ثلاثہ محکوم۔ اب ہم ان دلائل عقلیہ ونقلیہ کو کافی سمجھکر اپنی تحریر کو مختصر کرنا چاہتے ہیں

غزالی کہتے ہیں " واعتقاد اھل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابہ والثناء علیھم"

ہم غزالی کے جواب میں افسوس کیا تھ کہیں گے کہ " حجۃ الاسلام غزالی نے " یہ حکم دیتے وقت تزکیۂ جمیع " کے الفاظ کے مفہوم پر غور نہیں فرمایا۔ کیونکہ اُس وقت ایک لاکھ سے زیادہ اشخاص پر لفظ "صحابہ" کا اطلاق ہو رہا تھا۔ اور لفظ "جمیع الصحابہ" سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم اُن سب کو " تزکیہ" کے مفہوم میں داخل کر کے عصمت اور معصومیت کی سند دیدیں۔ اسلیئے کہ " تزکیہ" سے امام غزالی کا مقصد گناہوں اور برائیوں سے بری ہونا ہے۔ اور عصمت کی بھی یہی تعریف ہے۔ دراں حالیکہ عصمت کے مفہوم میں انبیاء و مرسلین اور چند مخصوص افراد داخل ہیں جن کو " ائمہ طاہرین" کہا جاتا ہے اور وہ علیؑ اور اولاد علیؑ ہیں۔ مگر غزالی کے قول سے تمام اصحاب کو معصوم ماننا لازمی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ "حویطب" مہاجرین اولین سے ہیں۔ انھوں نے کفار قریش کو خبر دی کہ رسولخدا فتح خیبر کے ارادہ سے روانہ ہونے والے ہیں۔ سینکڑوں اصحاب دائرہ صحابیت میں داخل ہو کر مرتد ہو گئے اور ثعلبہ کی طرح بہت سے اصحاب نے احکام اسلامی سے انحراف کیا۔ مغیرہ ابن شعبہ کا جرم زنا خلیفۂ ثانی کی دریافت میں ثابت تھا۔ حرقوص ابن زهیر باوجود "بدری" ہونے کے نہروان کی جنگ میں خوارج کے سردار بن گئے۔ اسی طرح ہزاروں صحابی جنگ نہروان میں خوارج کے ساتھ شریک تھے لہٰذا خود امام غزالی کے قول سے یہ سب دین اسلام سے خارج ہیں۔

معاویہ ابن ابی سفیان اور عمرو عاص باوجود صحابی ہونے کے تمام علمائے اہلسنت نے ان کا باغی ہونا ثابت کیا ہے۔ یہی معاویہ۔ اُن کے رفقا اور مددگار وں نے امام المسلمین کی مخالفت اور اُن سے بغاوت کی۔ سر منبر اُن پر لعنت کی جو تمام اسلامی تاریخوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا اُن کا یہ فعل نص کے خلاف اور کفر ہے

اگر ہم یہاں اکثر صحابہ کے حالات تفصیلی طور پر بیان کریں تو اپنے مقصد سے بہت دور نکل جائینگے

ورنہ ہم صدر اسلام سے شروع کرکے جنگ جمل صفین ۔ اور نہروان تک صحابہ کے حقیقی حالات مثل روز روشن کے بتلادیں اگر ہم غزالی کی پیروی کریں تو ایسی صورت میں تمام گمراہ کرنے والے شیطانوں کے تزکیہ کا بھی ہمکو قائل ہونا پڑے گا یہ سفاہت ہے اور قباحت بھی ۔ بیشک صاحبان دین و دیانت اس سے مبرّا ہیں اور یہ عاجز جو اہل سنت کی ایک فرد ہے اپنے حدامکان تک اس تہمت کو اہلسنت والجماعت سے دفع کریگا ۔ کیونکہ اہلسنت وہی کہلاتے ہیں جو رسُول خدا کی سنت کے پیرو اور ان کے طریقے کے تابع ہوں ۔ البتہ ہم جن کے معصوم نہ ہونیکا دعویٰ کرکے اسکو ثابت کررہے ہیں اُن کے اعمال و افعال رسُول خدا کے مسلّمہ طریقہ کے بالکل موافق نہ تھے چاہے وہ صحابی ہوں یا غیر

کیا خوب کہا ہے مقتدائے اہل تصوف حافظ شیرازی نے "آنرا کہ دوستی علیؑ نیست کافراست گو زاہد زمانہ وگو شیخ راہ باش" ۔ ہم یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے مسلّم طریقہ کے پیرو ہوں چاہے سنی ہوں یا کسی اور مذہب کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُن کی عزت و توقیر کریں ۔

غزالی کہتے ہیں کہ " تمام صحابۂ رسول کی عزت و توقیر کرنا چاہیئے لیکن خود انھوں نے اپنے اس دعوائے بے دلیل کا جواب اپنی دوسری تالیف "ارشاد حمزوی" میں تفصیل کے ساتھ نہایت مدلل کیا ہے ۔ چونکہ اس وقت ہم کو یہاں اُس کے تکرار کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اسلیئے ہم نے ترک کردیا ۔ (جنکو ضرورت ہو دیکھ لیں)

غزالی کہتے ہیں کہ " سوائے روافض کے صحابہ کے عدم تزکیہ کی کوئی جرات نہیں کرتا "

افسوس ۔ یہ لفظ غزالی جیسے عالم کے درجۂ علمی سے مطلق مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ وہی لوگ لفظ "رافضی" کو اپنی مدافعت کا آلۂ کار قرار دیتے ہیں کہ جب جوابدہی کی قوت نہیں پاتے تو اس لفظ "رافضی" سے سہارا ڈھونڈ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں ۔ لیکن حجۃ الاسلام غزالی کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے ۔

ہم نے بارہا کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ " افراد امت سے کوئی فرد کسی صحابی کی فضیلت سے انکار نہیں کرسکتی جو اس صحابی کے لئے ثابت ہے ۔ اور جس صحابی کے لئے کوئی فضیلت ہی ثابت نہ ہو اُس کے انکار سے کوئی رافضی نہیں ہوسکتا

ہم قارئین کرام کو خوشخبری دیتے ہیں کہ حجۃ الاسلام غزالی نے "احیاء العلوم" میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے بالکل خلاف اپنی دوسری تصنیف "سرالعالمین" میں ثابت کیا ہے ملاحظہ فرمائیے "المقالۃ الخامسۃ فی الخلافۃ"

اب ہم اس موضوع میں اتنی ہی بحث کافی سمجھتے ہیں۔

نتائج معکوسہ

علیؑ ابن ابی طالب کی افضلیت اور خلافت کے متعلق ہمارا دعویٰ یا احتجاج بالکل مستقل تھا مگر افسوس ہے کہ اس کے نتائج اُلٹے نکلے۔ یعنی رسول اللہ کے انتقال کے بعد علیؑ ابن ابیطالب [illegible] مشغول تھے اور ادھر ثقیفہ بنی ساعدہ کا ہنگامہ شروع ہوا اور سب کی پیش تیاریوں کے خلاف ابی بکر کی طرف خلافت منتقل ہوگئی۔ چنانچہ امام محمد ابن اسمٰعیل بخاری نے صحیح بخاری میں لکھا ہے جس کے اسناد کو حذف کر کے ہم صرف متن حدیث لکھتے ہیں

وإذا اشتدت مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ قال ائتونی بقرطاس اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدی ابداً فقال الرجل ای عمر بن الخطاب تہجر یکفینا کتاب اللہ عندنا قال احدھم ائتوا حتی جال التنازع ولا ینبغی عند النبی التنازع فقال النبی قوموا عنی" ۔ حدیث کے معنی یہ ہیں، "جب رسول اللہ پر مرض کی شدت ہوئی تو حضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا کاغذ لاؤ تاکہ تمہیں [illegible] لکھ دوں تاکہ تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ ایک شخص یعنی عمر ابن خطاب نے کہا کہ ہذیان ہے ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ اُن میں سے ایک نے کہا "لادو" یہانتک کہ گفتگو بڑھی۔ درآنحالیکہ رسولؐ کے حضور میں اس طرح کی چیخ و پکار جائز نہ تھی پیغمبر خدا نے فرمایا تم سب میرے پاس سے نکل جاؤ"۔ اس واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہے تمام علمائے شیعہ وسنی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اور اس پر شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ بخاری کے سب سے بڑے شارح "علامہ عینی" اور شارح "مشکوٰۃ و مرقاۃ" علامہ علی القاری نے بھی اس حدیث کی شرح لکھی ہے لیکن اس کا اثر و نتیجہ ظاہر کرنے کی کسی نے جرأت نہیں کی بلکہ تقلید پر قانع رہے ہے۔ لیکن ہم اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اس واقعہ کا بُرا اور تلخ اثر تمام مسلمانوں پر ہوا جبکی سمیت مسلمانوں کے دماغ سے اب تک دور نہیں ہوئی۔ اگر رسولؐ اکرم اس آخری وقت اپنی امت کے لئے وصیتیں تحریر فرماتے تو ملت بیضا اختلاف و افتراق

سے محفوظ اور ضلالت وگمراہی سے مامون رہتی لیکن عمر اس مقدس مقصد کے جاری ہونے سے مانع ہوئے اور کہا کہ وہ حرارت کی شدت سے اس طرح فرما رہے ہیں قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔

اب ہم جناب عمر سے پوچھتے ہیں کہ "جب ابوبکر نے اپنی تحریر کے ذریعہ سے انکو خلیفہ بنایا اُس وقت آپ نے کیوں ... کہ کتاب خدا کافی ہے ... اب ہم کو کسی تحریر کی ضرورت نہیں۔ آخر رسول اللہ کی نسبت انکو یہ جرأت کرنے کا کیا حق تھا"

اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے چونکہ عمر جانتے تھے کہ ابوبکر خود انہی کو جانشین کریں گے اور یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ علیؑ کو اپنا جانشین بنانے والے ہیں اس لئے رسولخدا کو اُس تحریر سے روکا۔ بیشک تمام عالم اس حادثۂ عظیم کی برداشت کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ جب ابوبکر کی خلافت کی خبر علیؑ کو ملی تو وہ بزرگوار ملول ہو کر مسجد میں تشریف لائے اور اپنی وصایت تمام حاضرین پر ثابت کردی۔ تمام اصحاب نے پشیمان ہو کر عرض کی کہ "یا ابا الحسن اگر ہم پہلے واقف ہوتے تو ہرگز کسی سے بیعت نہ کرتے" علیؑ نے فرمایا "کیا یہ سزاوار تھا کہ میں رسولؐ کے جنازۂ اطہر کو گھر میں چھوڑ کر اپنی خلافت کو مضبوط کرنے کے لئے سقیفہ جاؤں۔ خصوصاً جبکہ یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک مرد مسلم بھی میرے حق خلافت سے انکار کریگا" اس گفتگو کے بعد ابوبکر نے بھی پشیمانی کا اظہار کیا لیکن اُن کے رفقا نے خلافت چھوڑنے سے اُن کو روکا۔ علیؑ ابن ابیطالب نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔ اور اپنے گھر چلے آئے اور جب تمام بنی ہاشم علیؑ کے گھر میں جمع ہو گئے اُس وقت عمر ابن خطاب ایک جماعت کے ہمراہ علی ابن ابی طالبؑ کے گھر پہنچے اور سب سے ابوبکر کی بیعت طلب کی۔ علیؑ کے طرفداروں نے انکار کیا۔ یہ سنکر عمر نے جلانے کی لکڑیاں طلب کیں۔ اس وقت فاطمۂ زہراؑ نے فرمایا "اے عمر کیا تم میرا گھر جلادو گے" علیؑ کے طرفدار روز بیعت ابن العوام" باہر نکل آئے اور تلوار سے حملہ کردیا۔ عمر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ زبیر کو گرفتار کرلو۔ لوگوں نے زبیر کو گرفتار کرکے تلوار ان کے ہاتھ سے چھین لی اور عمر نے اُس تلوار کو پتھر پر مار کر توڑ دیا۔ اور علیؑ کو مسجد میں لے گئے مسجد میں پہنچنے کے بعد خلافت کے متعلق کچھ ایسی دلخراش گفتگو ہوئی کہ علیؑ بیعت پر مجبور ہو گئے۔ ہم نے یہاں فقط اہلسنت کی اہم اور معتبر ترین روایات کا ذکر کیا ہے۔ اگر اس حادثہ کے متعلق تمام روایات نقل کریں تو تمام عالم اپنی آتش فشاں قوت سے ان کو رد کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

دوسرا ہنگامہ

جب ابوبکر مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اپنی رحلت سے قریب ایک عہدنامہ کے ذریعہ سے عمر ابن خطاب کو خلافت پر معین کردیا "ہم نے چند صفحے قبل اس کے متعلق ... محاکمہ کیا ہے ملاحظہ فرمالیجئے" اُس وقت علیؑ نے مدافعت ... مطلق اقدام نہیں کیا کیونکہ ... ثانی کی کوششوں سے قرار پائی ہے

اور ابوبکر اس کے صلہ میں ضرور انکو (عمر کو) اپنا ولیعہد بنائیں گے۔ گویا ان دونوں میں ایک رسمی معاہدہ ہو گیا تھا۔ لیکن عمر نے رسولخدا کا معاہدہ تحریر فرمانا ضروری نہ سمجھا مگر ابوبکر کی تحریر دل وجان سے قبول کرلی۔ چنانچہ ادھر ابوبکر کی رحلت ہوئی اُدھر بلا مقابلہ وانتخاب عمر خلیفہ ہو گئے اور علیؑ نے بیعت کرلی۔

"علامہ عبدالبریہ" اپنی کتاب "عقدالفرید" میں لکھتے ہیں کہ "خلیفہ اوّل اپنے آخر وقت کہتے تھے" میں نے بعض اُمور پر اقدام کیا کاش ان کو ترک کردیا ہوتا اور بعض امور ترک کردیئے کاش ان پر اقدام کرتا (وہ امور یہ ہیں)

۱۔ کاش رسول اللہ سے پوچھ لیا ہوتا کہ آپ کے بعد مستحق خلافت کون ہے

۲۔ فلاں اور فلاں شخص کو دفع نہیں کیا کاش اقدام کرتا

۳۔ خلافت کو قبول کرلیا کاش نہ کرتا

۴۔ علیؑ سے بیعت لینے کے لئے فاطمہ زہراؑ کے مکان پر لوگوں کو کاش نہ بھیجا ہوتا

۵۔ فدک فاطمہؑ کو دیدیا ہوتا کاش ضبط نہ کرتا۔

مصنف کتاب قاضی بہجتؔ کہتا ہے کہ" ہم بھی یہی آرزو کرتے ہیں کہ کاش ان بے جا اعمال پر اقدام نہ کرتے لیکن ان بیجا اقدامات پر محاکمہ کرنا صاحبان حق سے تعلق رکھتا ہے

(تنبیہہ) اہلسنت کے علما، اور اغلب فقہائے ابوبکر کے فقرات مندرجہ بالا پر سخت حیرت اور تعجب کا اظہار کیا ہے لیکن بجائے حیرت کے یہ اہم کتابیں "صحیح بخاری"۔ "ابن خلدون"۔ "عقدالفرید"۔ "اغانی"۔ "دائرۃ المعارف" ملاحظہ فرماتے تو مناسب تھا۔ بیشک آپ اپنے فریضہ کو پورا کرنے کے لئے اس تاریخ کو آخر تک ملاحظہ فرمالیں تو اپنے مخو حقیقی کو ضرور پالیں گے (اس فقرہ سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ اس تاریخ کو آخر تک ملاحظہ فرمالیں تو آپکو حق وباطل کا پتہ چل جائے گا) (مترجم اردو)

تیسرا ہنگامہ اور چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ

خلیفہ ثانی نے اپنی رحلت کے وقت چھ آدمیوں میں خلافت کو معلق کردیا۔ بیشک ایسا ہی ہونا چاہئیے کیونکہ جب دنیا کی کوئی شئے اپنے محور حقیقی سے جدا ہوتی ہے تو بدحالی کی طرف اُس کا لوٹنا ضروری ہے۔ ہم نے اس شوریٰ کے متعلق اپنا محاکمہ ظاہر کرکے ثابت کردیا ہے کہ" یہ ناگوار واقعہ نص، اجماع اور تعین کے بالکل خلاف تھا (چند اوراق الٹ کر ملاحظہ فرمالیجئے) یہاں ہم صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ خلیفہ ثانی نے اپنی

اشخاص کو مجلس شوریٰ کے لیئے منتخب فرمایا کہ جن سے توقع ہی نہ تھی کہ وہ علیؑ کو خلافت کے لیئے منتخب کریں گے۔ کیونکہ عبدالرحمن ابن عوف اپنے دنیوی خواہشات میں علیؑ کی مدد سے مایوس تھے اور اسی لیئے وہ عثمان کی طرفداری کر رہے تھے سعد ابن ابی وقاص اُن کے چچا زاد بھائی تھے اور یہی کے ہمخیال طلحہ ابن عبیداللہ "بنی تیم" سے تھے وہ علیؑ کے حق میں کیوں رائے دینے لگے۔ عثمان خود مدعی خلافت تھے۔ اب ان چھ آدمیوں کے شوریٰ میں سوائے زبیر کے علیؑ کا طرفدار کوئی نہ تھا۔ اس واقعہ کو علیؑ ابن ابی طالب نے اپنے حکیمانہ اقوال میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے" ملاحظہ ہو نہج البلاغہ"

لیکن ہم نے متواتر اخبار کے ذریعہ سے سنا ہے کہ خلیفہ ثانی نے کہا ہے "لولا علی لہلک عمر"۔ لست قاطعة امرا وعلیٌ ساکت فیہ ۔ بخ بخ یا ابوالحسن قد کنت مولای ومولا کل مومن ومومنہ (غدیر خم)

تعجب ہے۔ عمر بغیر علیؑ کے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ بغیر علیؑ کی موجودگی کے عمر کسی مقدمہ کا قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے اور اُن حضرت کے ولی مومنین ہونے کی مبارک باد کے بعد یہ کیا معاملہ اور اُس کے یہ اُلٹے نتائج کیسے۔ افسوس تاریخ میں کچھ ایسے اوراق بھی ہیں کہ جن کے ظاہر کرنے سے قلم شرماتا ہے بیشک انہی اختلافات کا یہ نتیجہ تھا کہ عبدالرحمن ابن عوف کی خوشامد سے عثمان ابن عفان خلیفہ ہو گئے

"مسور ابن مخرمہ" عبدالرحمن ابن عوف کے بھانجے روایت کرتے ہیں کہ "ہم اُس وقت یہ خیال بھی نہ کر سکتے تھے کہ سوائے علیؑ کے کوئی اور خلیفہ ہو جائیگا۔ ہمکو یقین تھا کہ کل علی ابن ابیطالبؑ خلیفہ ہو جائیں گے لیکن میرے خالو عبدالرحمن ابن عوف رات بھر گھر گھر پھرتے رہے اور پوشیدہ طور پر عمرو عاص اور مغیرہ ابن شعبہ کو اپنا ہمخیال بنالیا۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ علیؑ نہیں بلکہ عثمان خلیفہ ہو گئے

یہ کہتے ہوئے مجھے پھر امام غزالی کے اس جملہ کا خیال آجاتا ہے کہ "اصحاب کا تزکیہ لازم ہے" میں کہتا ہوں کہ کسی کا تزکیہ یا عدم تزکیہ واقعات مندرجہ تاریخ پر منحصر ہے اور ہم کسی کی خطا یا صواب کا حکم اُس کے عمل پر لگائیں گے غزالی کا عقیدہ کسی دوسرے کے اظہار خیال کا مانع نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ تاریخ حاکم ہے اور دنیا محکمہ

نوبت خلافت علیؑ

بہت سے حوادث اور تباہیاں گزرنے کے بعد حضرت امیرؑ اصحاب کی منت اور اصرار سے مسند خلافت پر تشریف لائے لیکن انسان جب اُس زمانہ کے حالات اور آنحضرتؐ کی امامت اور خلافت کا خیال کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام

زمانہ نے آپ کے ساتھ منافقت اور مخالفت کا عہد کرلیا تھا اور ہر شخص تباہی و نفاق پر کمربستہ۔ چنانچہ ہم اپنے خیال کی تائید میں ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔

جو لوگ علیؑ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کررہے تھے اُن میں سب سے زیادہ طلحہ اور زبیر پیش پیش تھے اس اُمید پر کہ بصرہ اور کوفہ کی حکومت مل جائے گی۔ جب یہ دونوں اپنے مقصد کے حاصل کرنے سے مایوس ہو گئے تو بالاتفاق ان دونوں کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا اور حج کے بہانہ سے مدینہ منورہ سے نکلکر مکہ معظمہ پہنچے اور اُس بی بی کو اپنی بداعمالیوں اور بدکاریوں کا شریک بنالیا جس کے دل میں پہلے ہی سے حسد کا مادہ بہت قوی تھا اور پہلی مرتبہ عالم اسلام میں تفرقہ ڈالکر جنگ اور ہنگامہ برپا کردیا۔

عائلہ جمل

انسان کے تمام اعمال پر کچھ داخلی اسباب اثر انداز ہوتے ہیں اور کچھ خارجی اور ان سب سے زیادہ خطرناک حسد کا مادہ ہوتا ہے۔ علمائے اخلاق نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ سب سے زیادہ یہ مادہ عورت میں ہوتا ہے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ عورت اپنے داماد سے جسقدر محبت کرتی ہے اُسی قدر اپنی بہو سے کراہت اور نفرت کرتی ہے

فاطمہ زہراؑ عائشہ کی سوتیلی بیٹی تھیں اور علاتی ماں ہونے کی وجہ سے عائشہ نور دیدۂ رسولؐ پر حریصی نظر سے مُتسلط ہونا چاہتی ہونگی۔ یہاں اپنے قول کی تائید میں ہم "صحیح بخاری، مسلم۔ اور۔ ترمذی۔ سے چند احادیث نقل کرتے ہیں (فی صحیح البخاری والمسلم) قالت عائشہ ماغرت علی احد من نساء النبی مثل غرت علی خدیجۃ وما رئیتھا ولکن کان النبی صلی اللہ علیہ یکثر ذکرھا فقلت لہ کان لم تکن فی الدنیا الا خدیجۃ"۔ ان احادیث کا بخاری اور مُسلم میں دیکھ لینا بہت آسان ہے۔ ترمذی نے جو صحاح ستہ سے ہے۔ عائشہ کے بھانجہ عروۃ ابن زبیر سے روایت کی ہے کہ "قالت عائشہ:۔ ماحسدت امراۃ مثل ماحسدت خدیجہ ولا یکادی یخرج رسول اللہ من بیتہ حتی یحسن الثناء علیھا فاخذتنی الغیرۃ فقلت ھل کانت الاعجوزاً قدابدلک اللہ خیراً منھا فغضب رسول اللہ ثم قال ما ابدلنی اللہ خیراً منھا۔ حدیث کے معنی ظاہر ہیں۔ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے خدیجہ سے جسقدر حسد کیا کسی سے نہیں کیا۔ جب رسولؐ خدا گھر سے نکلتے تھے تو خدیجہ کی تعریف اور اُن کو دعائے خیر سے یاد کرتے تھے۔ اسلئے حسد نے

مجھ پر غلبہ کیا ۔ میں نے کہا کہ خدیجہ تو ایک بڑھیا تھیں اور خدا نے تو آپکو اُن سے بہتر عوض دیا ہے رسول اللہ نے غضبناک ہوکر فرمایا " خدا نے اُن سے بہتر عوض مجھے نہیں دیا ہے " ۔

اگر " جامع الفوائد " کی اس حدیث کا یہاں ذکر کریں جو مسلم و بخاری اور امام " نسائی " نے کتاب " اصابہ فی معرفتہ الصحابہ " میں کیا ہے تو مطلب اور بھی واضح ہو جائیگا لیکن ہم مقصد سے دور ہو جائیں گے ۔ لہٰذا سمجھنے والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔

اس ذکر سے ہمارا مطلب عورتوں کی حرص و حسد کا ایک نمونہ بتلانا تھا ۔ پہلی وجہ اس جنگ کی یہی تھی دوسری ۔ اس سے زیادہ شدید ۔ بیشک عائشہ کو اس بے جا اعمال پر اُن کے بھانجے " عبداللہ ابن زبیر " نے جرأت دلائی جس کے دماغ میں حکومت کا سودا سمایا تھا ۔ اسی لئے وہ اپنی خالہ " عائشہ " کو اس کا ذریعہ قرار دیکر دوسری خلافت قائم کرنا تدبیر شروع کی یہانتک کہ قریۂ " حواب " کے کتوں کی آواز سنکر پشیمان ہوئیں اور اپنے ارادہ سے پلٹنا چاہا لیکن عبداللہ نے منت سماجت کیا تھا عائشہ کو آمادہ کیا اور کہا کہ اگر آپ واپس ہو جائیں گی تو میں خودکشی کر لونگا اور سخت قسمیں کھا کر کہا کہ " یہ قریۂ حواب نہیں ہے " اور عبداللہ اپنے باپ زبیر پر اس قدر مسلط ہو گئے تھے کہ وہ (زبیر) اپنے بیٹے (عبداللہ) کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ۔

بیشک طلحہ و زبیر نے عائشہ ۔ مروان ۔ اور ۔ عتبہ ۔ کی ہمراہی میں پرچم نفاق بلند کر کے امیرالمومنین کی مخالفت کی ۔ علیؑ کے نصائح کچھ سودمند ثابت نہیں ہوئے ۔ آخر کو حجت تمام کر کے ان مفسدوں اور باغیوں کو سزا دینے پر مجبور ہوئے اور اس فساد کے بانیوں کو اس کا وہی پھل ملا جو بیج انھوں نے بویا تھا ۔ طلحہ اور زبیر حضرت کے طرفداروں کے ہاتھ سے مارے گئے اور خاتون محترمہ اپنے حجرہ اور سراپردۂ عصمت میں واپس ہوئیں جسکو بخلاف آیہ مبارک " وقرن فی بیوتکن " پر عمل نہ کر کے پارہ کیا تھا ۔ اس ناگوار واقعہ کو ہم اختصار کیساتھ لکھیں گے ۔ لیکن پہلے اتنا کہدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ علمائے اہلسنت نے اپنی کتابوں میں جنگ جمل کے بانیوں کا ذکر نہایت تعریف و توصیف سے کیا ہے ۔ گویا جنگ جمل نے اُن کی تاریخی زندگی میں ذلت اور گمراہی کا داغ ہی نہیں لگایا ۔ بلکہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ان بدکاروں اور خائنوں پر کچھ ذمہ داری ہی نہ تھی ۔ ہم کہتے ہیں کہ سلسلۂ اصحاب میں منسلک ہونے سے کوئی بد عملی اور گناہ مٹ نہیں سکتا اور نہ خیانت و بدکاری کا دھبہ کسی صحابی کے نامۂ عمل سے نکل سکتا ہے ۔

بلکہ اصحاب رسولؐ نور نبوت سے قریب تر ہونے کے باوجود اگر گناہ کریں تو وہ دوسروں سے زیادہ قابل باز پرس ہونگے
چنانچہ ہم نے اس بحث کو متعدد مثالوں میں پیش کیا ہے

یہ تو سب جانتے ہیں کہ جب طلحہ اور زبیر اور عائشہ نے سنا کہ لوگوں نے شورش کی ہے اور عثمان کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو ان دونوں (طلحہ و زبیر) نے غیر معمولی طور پر ہمت افزائی کرکے لوگوں کو جرأت دلائی۔ جب عثمان قتل ہوئے ہیں عائشہ مکہ مکرمہ میں تھیں اور قتل کی خبر سنکر نہایت خوش و مسرور ہوئیں۔ اثناء راہ میں جب علیؑ کی خلافت کی خبر معلوم ہوئی تو وہیں سے مکہ واپس ہوگئیں۔ وہ اشخاص جو رسولؐ خدا کے زمانہ میں گمنام تھے جیسے۔ یعلی ابن منبہ۔ عبد اللہ ابن عامر۔ سعد ابن عاص وغیرہ اس موقع کو غنیمت جانکر عائشہ کے اطراف جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ جب ایسے اشخاص سے ایسی بداعمالیاں اور خطائیں سرزد ہوں تو بہت بڑا گناہ سمجھی جائیں گی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر جنگ جمل ظاہر نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ جنگ صفین اور نہروان بھی نہ ہو۔ لہذا آپسمیں افتراق۔ اسلام میں فتنہ کو جگانا۔ مسلمانوں کے امام مطاع سے مخالفت اور جنگ۔ کلمہ اسلام میں رخنہ۔ ہزاروں مسلمانوں کا قتل۔ غرض ان تمام بداعمالیوں کا دروازہ کھولنے والا اور فتنہ پردازی کرنے والا امت مسلمہ کی جانب سے ہمیشہ مستحق لعن و نفرین ہوگا چاہے وہ کوئی ہو۔ اور ان واقعات کو تاریخ کے صفحات پر پڑھکر ضرور تنقید کریگا جس کا سلسلہ قیامت تک باقی رہیگا۔ اگر کہا جائے کہ لشکر جمل نے توبہ و استغفار کی تھی تو ہم کہیں گے کہ وہ اپنے گناہوں سے تائب ہوئے ہونگے مگر اس کا تعلق ہم سے نہیں ہے بلکہ روز جزا سے ہے۔ ہم تو تاریخ میں اُن کے نیک و بد عمل دیکھ رہے ہیں۔

یہ بھی کہیں گے کہ "جنگ جمل کا باعث اصحاب کبار تھے جو رسولؐ اکرم کے ساتھ غزوات میں شریک تھے اور قرآن عظیم میں نیکی سے اُن کا ذکر ہوا ہے۔" ہم کہتے ہیں کہ "حرقوص ابن زہیر" اور اُن کے ساتھی بھی اصحاب کبار سے تھے اور بیعت شجرہ بھی کی تھی پھر کیوں وہ لعن و نفرین کے مستحق ہوگئے۔ ہم تاریخی واقعات کا مطالعہ کرکے اس پر مطمئن ہیں کہ جمل۔ صفین۔ اور نہروان کی لڑائیوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور ان تینوں لڑائیوں کے بانی قابل نفرت ہیں۔ اب ہم جنگ صفین کے حالات شروع کرتے ہیں جو جنگ جمل کا دوسرا صحیفہ ہے۔

غائلہ صفین

ہم جنگ صفین کے مفصل حالات اور امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ کے تمام تجاویز بیان کرنا نہیں چاہتے۔

بلکہ اس موقع پر صرف یہی بتلائیں گے کہ اس جنگ کا باعث کون ہوا اور امیرالمومنین کو اپنے مقصد کے جاری کرنے میں کیا کیا دشواریاں پیش آئیں اور ان کو کن کن مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔

غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ " ولامنازعة من معاوية فى الامامة وماصدرعنه كان عن اجتهاد والمجتهد مصوب " (ترجمہ) معاویہ کو امامت میں کوئی جھگڑا نہ تھا اور ان سے جو کچھ ہوا وہ اجتہاد تھا اور مجتہد راہ صواب پر ہے) افسوس جو مطلب کہ جہلاء پر بھی مثل آفتاب کے روشن ہے امام غزالی جیسے عالم اُس سے ناواقف ہیں یا عمداً انہوں نے چھپایا ـــ کیا معاویہ کو امامت اور خلافت کی خواہش نہ تھی۔ پھر وہ چاہتے کیا تھے ؟ کیا خون عثمان کا بدلہ منظور تھا ؟ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ عثمان لاوارث نہ تھے اُن کے بیٹوں کو چاہیئے تھا کہ زمانہ کے امام اور خلیفہ وقت امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ سے عرض کرکے اپنے باپ کے خون کا قصاص طلب کرتے نہ یہ کہ معاویہ عمرو عاص اور ان کے مثل دوسرے مسلمانوں کو اغوا کرکے خلیفۃ المسلمین کیخلاف کھڑا کر دیا ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ گیا اور اسلام میں بہت سی بدعتیں ایجاد ہوگئیں۔

غزالی کہتے ہیں کہ معاویہ سے جتنی بداعمالیاں صادر ہوئیں وہ سب خطاء اجتہادی تھیں ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا " یاعمار تقتلک الفئة الباغية " یعنی اے عمار تم کو باغی گروہ قتل کریگا۔ معاویہ نے دو بدبخت شامیوں کو اشرفیوں کی تھیلیاں دیکر عمار کے قتل پر مامور کیا۔ اور ان دونوں نے عمار کا سر معاویہ کے سامنے پیش کر دیا جسکو دیکھکر معاویہ نے اظہار مسرت کیا کیا غزالی اسکو بھی خطاء اجتہادی کہیں گے ؟ افسوس" اس کے علاوہ غزالی خود واقف ہیں کہ معاویہ نے تمام حکام شہر کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ پر سب اور لعن کرنے کے لئے آمادہ کریں یہاں تک کہ خود معاویہ نے مدینہ پہنچکر مسجد نبوی اور منبر رسولؐ پر علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب اور لعن کی۔ یہ واقعہ تمام مؤرخین نے لکھا ہے۔ کیا یہ بھی اجتہاد ہے ؟

غزالی کہتے ہیں کہ " اصحاب کی برائی ظاہر کرنا " رفض " ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا علیؑ ابن ابیطالب صحابی رسول نہ تھے ؟ معاویہ نے کیوں ان پر سب و لعن کی۔ کیوں غزالی نے معاویہ کو " رافضی " نہیں کہا بلکہ اُن کو مجتہد کہہ رہے ہیں یقیناً غزالی نے اس فیصلہ میں غلطی کی۔

جب معاویہ نے جنگ صفین کا قصد کیا تو محض اس امتحان کی خاطر کہ آیا اہل شام قرآن کے احکام کے تابع ہیں

یا اُن کے (معاویہ کے) اس کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے چہار شنبہ کے رُوز نماز "جمعہ" مسجد میں حاضر ہو گئے اور چہار شنبہ کے دن جمعہ کی نماز ادا کی۔ اب معاویہ کو شامیوں پر پورا پورا بھروسہ ہو لیا۔ اور امام زمانہ سے جنگ کرنے تیار ہو گئے۔ کیا اجتہاد ایسا بھی ہوتا ہے؟

امام حسن مجتبیٰ نے خلافت سے دستبردار ہو کر صلح کر لی صلحنامہ کی پہلی شرط یہ تھی کہ حضرت ولیعہد رہیں گے لیکن بمقتضائے عداوت فطری ــــ اپنا مخصوبہ حق حاصل کرنے کی خاطر جُعدہ بنت اشعث کے ذریعے سے زہر دلوا کر نہایت بری طرح جگر گوشۂ رسول کو شہید کر دیا۔ جعدہ نے مقررہ رقم معاویہ سے حاصل کر لی۔ لیکن یزید اس خصوص میں باپ سے زیادہ ہوشیار تھا کہ اُس نے جعدہ کے عقد نکاح سے انکار کر دیا۔ ایسی بداعمالیاں جو کفر کی حد تک پہنچتی ہیں اُن کو خطائے اجتہادی میں داخل کرنا کسی منصف شریعت میں ہرگز جائز نہ ہوگا۔

حجۃ الاسلام غزالی علیؑ ابن ابی طالب کی امامت اور خلافت قبول کرتے ہیں۔ ہم اُن سے پوچھتے ہیں۔ کیا معاویہ پر لازم نہ تھا کہ بغیر کسی شرط کے امام وقت کی بیعت کر کے اُن کی پیروی کرتے اور بصورت خلاف کیا معاویہ باغی نہ کہلائیں گے ورنہ علیؑ کی خلافت حقہ کو تسلیم کرنے کے بعد معاویہ کی باغیانہ حرکات کی صفائی کرنا اسی طرح محال ہے۔ جیسے سفیدی اور سیاہی کا ایک جگہ جمع ہونا۔ ہم کہتے ہیں کہ حجۃ الاسلام غزالی نے جو طریقہ اختیار کیا اُن کے لئے مناسب نہ تھا اب ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

معاویہ نے اپنے حیلہ اور عمرو عاص کی مکاریوں سے تمام اہل شام کو جمع کر کے امیرالمومنین پر حملہ کرنے کے لئے اُس صحرا میں پہنچ گئے جسکو "صفین" کہتے ہیں۔ علیؑ نے ہر چند نصائح فرمائے اور کوشش کی کہ کسی طرح اس جنگ کی آگ بھڑکنے نہ پائے جس سے اسلام کی روح افسردہ اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد ٹوٹ کر اسلام کو بہت بڑا نقصان پہنچیگا۔ لیکن معاویہ کی باطنی دشمنی نے اسکو قبول نہ کیا کہ یہ فساد رفع دفع ہو کر مسلمان آسودہ رہیں۔ صفین کی جنگ ایک سو دن تک رہی مشہور تابعی "اویس قرنی"۔ صحابی رسول "عمار یاسر"۔ ان کے علاوہ حضرت علیؑ کے اور بہت سے اصحاب اس جنگ میں شہید ہوئے۔ منجملہ اس جنگ کے اثرات کے ایک واقعہ یہ ہے کہ محمد ابن ابی بکر اور مالک اشتر جو ہمیشہ اس جنگ کے قائد رہے ہیں یکایک صفوف لشکر سے غائب ہو گئے۔ با این ہمہ عمرو عاص کی چالبازیوں اور مکاریوں کی بدولت معاویہ نے اپنے حواس ٹھیک کر لئے اور جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر فریق اپنی جانب سے ایک شخص کو حکم مقرر کر کے

اُن کے تصفیہ کے موافق صلح کرلے۔ امیرالمومنین جانتے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے لیکن بحالت مجبوری آپ راضی ہو گئے۔ ایک طرف عمرو عاص کی چالبازیاں اور مکاریاں۔ دوسری جانب خود آپ کے ہمراہیوں کی بے وفائی غرض دشمن کے ہجوم سے زیادہ دوستوں کی بے وفائی نے آپ کو بے حد متردد کردیا تھا۔ اور حکمین کے فیصلہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپکو پھر جنگ کے ... اور ان میں آپ کے طرفداروں کی ایک کثیر جماعت آپ کے حکم سے نکلکر شریعت کی راہ سے خارج ہولی۔ اس ... تفصیلی واقعات اپنی ایک دوسری تصنیف موسوم بہ (لوز کون) میں ہم نے لکھی ہے۔

ملحمہ نہروان

فرقہ خوارج کا رئیس اور قائد" حرقوص ابن زہیر" تھا۔ جبکہ فیصلہ حکمین کے بعد امیرالمومنین سخت پریشانی میں مبتلا تھے اُس نے مقام "نہروان" کو میدان جنگ قرار دیا۔ امیرالمومنین دوبارہ بقصد جنگ مقام صفین کو روانہ ہو رہے تھے۔ جب آپکو یہ خبر ملی تو دشمن کے مقابلہ سے پہلے آپ نے حرقوص کے مقابلہ کا قصد فرمایا صولت حیدری سے تمام باغی تہِ تیغ ہو کر خاک میں چھپ گئے۔ افسوس ہے کہ امام پناہ اور عالم کے رکن اعظم کو ہر فتح کے بعد ایک نہ ایک جاں گداز مشکل سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو دینی و دنیوی فوائد جو حاصل ہونا چاہیئے تھے نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عالم ان لڑائیوں کے مضر اثرات سے آجتک آلودہ ہے افسوس صد ہزار افسوس!!

شہادت و فلاکت

اس نا ... جبر کے مقابلہ کا انہ امام کی شہادت اور امت مسلمہ کی تباہی و بربادی پر اس طرح منتہی ہوا کہ ... جیسے ... اور تحریک پر عبدالرحمن ابن ملجم نے دین کی بنیاد کو منہدم اور مسلمانوں کے امام منتظم کے قتل کا مصمم ... زہر آلود تلوار سے امام کے سر مبارک پر ایسا شدید زخم لگایا کہ ... روز درجہ شہادت پر فائز ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام عالم اسلام تباہی اور بربادی میں مبتلا ہو گیا۔

ہم نے قوی دلائل کیساتھ امامت و خلافت کے لئے آنحضرت کا سب سے اُولا ہونا اور آپ کی ذات ستودہ صفات کا سب سے اشرف ہونا ثابت کردیا ہے۔ یہاں دو جملوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ رسُول خدا کے بعد امیر مومنان اسلام کے سب سے بڑے سرپرست اور امت محمدیہ کے ولی ہیں۔ امیرالمومنین

کی عمر شریف شہادت کے وقت (۶۳) سال کی تھی ۔ آپ نے فاطمہ زہراؑ کی حیات میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ حسنؑ ۔ حسینؑ ۔ محسنؑ ۔ زینبؑ اور ام کلثوم فاطمہ زہرا کے بطن طاہر سے پیدا ہوئے ۔ جناب فاطمہ زہرا کے بعد آپ نے چند عاصمہ بیبیوں سے نکاح کیا جب وصیت فاطمہ زہراؑ آپ نے رسولخدا کی بیٹی زینب کی صاحبزادی "امامہ" سے نکاح کیا ۔ دوسری "اسماء بنت عمیس تیسری" ۔ ام البنین "حضرت عباسؑ کی والدہ ۔ چوتھی بنی حنیفہ کی ایک لڑکی جو "محمد حنیفہ" کی والدہ تھیں ۔ حضرت کی مشہور اولاد جو فاطمہ زہرہ کے بطن شریف سے نہ تھی ۔ کربلا کے علمدار ابو الفضل دوسرے صفین کے علمدار محمد حنیفہ ہیں ۔ علیؑ ابن ابی طالب امت کے باپ تھے اسلئے کہ رسولخدا نے فرمایا تھا "انا وعلی ابوا ھذہ الامۃ" ۔ بیشک جسطرح حضرت امت کے باپ ہیں اسی طرح تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں بھی ان کے اُستاد اول ہیں ۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ اگر اسلامی علوم ستداولہ پر غور کریں تو علی ابن ابیطالبؑ اُن سب سے فارغ اور امت مرحومہ تک وہ تمام علوم پہنچا دیئے تھے ۔ مثلاً "علم تفسیر" ۔ "فقہ" ۔ اصول الاحکام" ۔ "نحو" ۔ "صرف" ۔ "عروض" ۔ "قافیہ" ۔ "جبر" ۔ "ہندسہ" ۔ یہ تمام علوم حضرت کی ذات ستودہ صفات سے ظاہر ہوئے ہیں "نہج البلاغہ" اور ایک عارفانہ دیوان[1] یہ دونوں تصانیف آپکی فصاحت وبلاغت کے بیّن گواہ ہیں ۔

اس کے علاوہ امیر المومنین "علم جفر" کے موجد ہیں جو صرف آنحضرت اور ان کی اولاد کیلئے مختص ہے ۔ اس خصوص میں استاد طریقہ تصوف "شیخ محی الدین عربی" نے اپنی کتاب "درمکنون" اور کمال الدین شافعی نے "در النظیم" اس علم کی خصوصیت آل محمدؐ اور اُن کے وارثین "قائم آل محمدؐ" صلی اللہ علیہ تک جس تفصیل کیسا تھ بتلائی ہے اگر ہم لکھیں تو "مثنوی ہفتاد من کاغذ شود" کی مصداق ہو گی ۔ اور ہم اپنے مقصود سے الگ ہو جائینگے ۔ حضرت کے علوم کے ذخیرہ کے لئے یہی کافی ہے کہ خود وہ بزرگوار فرماتے ہیں ۔ "لو شئت لا وقرت من تفسیر الفاتحۃ سبعین بعیرا" اور "سلونی قبل ان تفقدونی" یعنی ۔ اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر بیان کروں تو ستر اونٹ کا بار ہو جائیگا ۔ یا ۔ جو چاہو اس وقت پوچھ لو قبل اس کے میں تم سے جدا ہو جاؤں یا قبل اس کے تم مجھے کھو دو" ۔ اسی سے واضح ہے کہ رسول خدا کے بعد اگر سیاسی اور اجتماعی زندگی میں حضرت کی رائے کے موافق رہتے تو اس قدر دشواریوں کا مقابلہ کرنا نہ پڑتا اور امت اسلام ظاہر بظاہر اپنے کمال اوج پر نظر آتی لیکن افسوس ۔ وہ بزرگوار جس نے بدر کے تمام مسلمانوں میں نصف حصہ لڑائی میں خود تنہا لیا ۔ (غزوہ احد) میں جبکہ مسلمان بھاگ گئے حضرت اکیلا ثابت قدم رہکر کفار اور مشرکین

[1] وہ دیوان جو آپ سے منسوب کیا جاتا ہے اس کا منظوم ترجمہ ... نسخہ ... (اردو)

کو لب سپار اور پٹ جانے پر مجبور کیا۔ (خندق) کے روز اصحاب عمرو ابن عبدود کے خوف سے مضطرب ہو گئے تھے۔ ایک ہی ضرب حیدری نے مسلمانوں کی جماعت سے مہلکہ عظیم کو رفع دفع فرمادیا۔ (خیبر) جبکہ بالکل مایوسی چھا گئی تھی اسد اللہی صورت میں ظاہر ہو کر خیبر کا دروازہ کھولدیا۔ ان کے علاوہ بے حد و بے حساب کارنامے غیر معمولی طور سے ظاہر ہوئے اور ایسی ہستی گوشہ نشینی پر مجبور کردی گئی۔ حضرت نے درست فرمایا "کُلُّ حِقدٍ حَقَدَتهُ قُرَیشٌ عَلیٰ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہِ اَظہَرَتہُ فِیَّ وَسَتُظہِرُہُ فِی وُلدِی مِن بَعدِی مَالِی؟ وَلِقُرَیشٍ اِنَّمَا وَتَرتُھُم بِاَمرِ اللّٰہِ وَاَمرِ رَسُولِہٖ اَفَھٰذَا جَزَاءُ مَن اَطَاعَ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ اِن کَانُوا مُسلِمِینَ"۔ قریش نے جتنی دشمنیاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے دلوں میں چھپا رکھی تھیں وہ سب دشمنیاں تو مجھ سے نکال رہا ہے اور میرے بعد میری اولاد سے وہ دشمنیاں نکالتا رہیگا مجھکو قریش سے کیا سروکار تھا۔ میں نے صرف خدا و رسول خدا کے حکم کی تعمیل میں اُن کی خونریزیاں کیں اب اگر یہ لوگ واقعی مسلمان ہوں تو خود سوچیں کہ کیا اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کی یہی جزا ہے

اے کاش دنیا اُن حضرت کے احکام و مصالح کی پیروی کرتی

جگر گوشہ رسول خدا فاطمہ زہرا ع

حضرت رسول نے (۲۳) سال کفار عرب اور مشرکین قریش کے مقابلہ میں جانبازی کے ساتھ جہاد فرمایا اور غیر معمولی زحمتیں اٹھاکر ہجرت پر مجبور ہوئے یعنی کفار کے ظلم و جور کی وجہ سے اپنی قوم اپنے اقربا۔ گھربار اور وطن کو چھوڑا۔ اور بشری قوت سے زیادہ زحمتیں اٹھانے کی وجہ سے دین مبین اسلام نے قوت پائی۔ گھوڑ پھوڑ کھانے والے عرب عزت کی نعمت کے قابل اور بت پرست و اصنام کے بندے دین اسلام کی برکت سے ایک خدا کو ماننے لگے۔

پیغمبر محبوب کو کسی چیز سے کسی طرح کوئی علاقہ نہ تھا فقط آنحضرت کی نور دیدہ اور جگر گوشہ فاطمہ زہرا ع تھیں۔ لہذا ضروری تھا کہ ہر مومن کے لئے اُسکی جان سے زیادہ عزیز ہو۔ چونکہ رسول خدا فرماتے ہیں "فَاطِمَۃُ بَضعَۃٌ مِنِّی مَن آذَاھَا فَقَد آذَانِی"۔ یعنی فاطمہ ع میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اُسکو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی۔ ایک صحابی نے عائشہ سے پوچھا کہ رسول اکرم کے پاس سب سے زیادہ کون عزیز ہے۔ جواب میں کہا پیغمبر کے پاس تمام دنیا میں سب سے زیادہ فاطمہ زہرا ع عزیز تھیں۔ سائل نے پھر پوچھا کہ "مردوں میں کون سب سے زیادہ محبوب تھا"۔

عائشہ نے کہا "علیؑ" ۔

فاطمہ زہراؑ کی شان و عزت میں جس قدر احادیث آئی ہیں اگر اُن کا ایک ایک نمونہ بھی یہاں دکھلایا جائے تو ایک ضخیم کتاب کافی نہیں ہو سکتی لہٰذا فدک کا واقعہ جو ہماری تشریح اور محاکمہ کا منشا ہے رجوع کر کے اس تلخ اور ناگوار صورت حال پر اپنے عقیدہ کا اظہار کریں گے ۔

فدک نہ اولدی فدک چہ شد

مدینہ منورہ کے اطراف یہودیوں کی املاک سے فدک تھا ۔ فتح خیبر کے وقت صلح کے ضمن میں رسولؐ خدا سے متعلق ہوا چونکہ فوج کشی اور جہاد کی قوت سے نہیں لیا گیا تھا اس لیے کسی مسلم کا اسمیں حق نہ تھا ۔ بلکہ وہ رسولؐ خدا کے لیے مخصوص اور آپکی ذاتی ملک قرار پایا ۔ اور فدک کے علاوہ اور بھی املاک تھے " بنی قریضہ " کے املاک اور خیبر مدینہ میں چند املاک تھے جن کے محاصل سے ازواج طاہرہ اور اہل قرابت میں جو مساکین تھے اُن کی مدد فرماتے تھے ۔ ایک مدت کے بعد اپنی نور چشم فاطمہ زہراؑ کو ہبہ فرمادیا ۔ اب فدک فاطمہ زہراؑ کی ملک تھی اور آپ ہی اس کا محاصل تقسیم فرمادیتی تھیں ۔ جب رسولؐ خدا کی رحلت ہوئی فاطمؑہ اپنے پدر بزرگوار کے سوگ میں سخت تکلیف اور مصیبت کے عالم میں بسر کر رہی تھیں اس عالم میں آپ کو خبر دی گئی کہ ابوبکر نے آپ کے ملازم کو فدک سے نکالدیا ۔ آپ نے اس بے جا حرکت کی اطلاع پاتے ہی غمگین ہو کر خلیفہ کے پاس کہلا بھیجا کہ کیوں میرے ملازم کو فدک سے نکالدیا گیا ۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ " فدک بیت المال سے ہے اور فاطمہؑ کو اسمیں کسی طرح کا حق نہیں پہنچتا " ۔

" انا للہ وانا الیہ راجعون " کیا ایسی بیقاعدہ حرکت دُنیا میں ہوئی ہے ۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کے احتجاج سے ہم اپنے احساسات اور تاثرات کا اظہار کرتے ہیں ۔

۱ ۔ رسولؐ اللہ کی بدولت دنیا و آخرت کی جو نعمتیں حاصل ہوئیں اگر خلیفہ اُن پر غور کرتے تو ایسی بے جا ۔۔۔ ۔۔۔

کیا خلیفہ کے ذہن میں یہ بھی خیال نہ آیا کہ ٹڈے کھانے والے عرب اسی فاطمہؑ کے باپ کے طفیل میں عالم کے خلیفہ بن گئے ۔ کیا یہ بھی خیال نہ آیا کہ خلیفہ اور اُن کے نسل اور لوگ جہاں پہاڑ کو سجدہ اور بتوں کی پرستش کرتے تھے اسی فاطمہؑ کے پدر بزرگوار نے ذلت سے عزت اور شرک سے ایمان میں داخل کیا ۔ ان نیکیوں کا بدلہ یہ تھا کہ نور دیدہ رسولؐ کو ایک قطعہ باغ کیلئے اس قدر تکلیف اور ایذا دی جائے

درآنحالیکہ ان عالی خدمات کے صلہ میں خدا نے اپنے رسول کو حکم دیا " قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ " یعنی اے رسولؐ اپنی امت سے کہو کہ میں اپنی رسالت کا کچھ اجر نہیں چاہتا مگر میں اپنے اہل قرابت کی مودت۔ اس کے علاوہ رسولِ خدا فدک کی مالیت سے کہیں زیادہ املاک خلفاء کے لئے چھوڑے تھے۔ کیا اپنی بیٹی کو فدک ہبہ کرنے کا حق نہ تھا اور وہ اس کے مجاز نہ تھے؟

۲۔ فاطمہ زہراؑ اس بزرگ خاندان کی رکن ہیں جس کی نسبت "لیذھب عنکم الرجس اھل البیت" خدا نے فرمایا۔ یعنی ایزد متعال نے ان کو تمام برائیوں سے پاک فرمایا ہے۔ کیا ایسے بزرگوار بغیر کسی حق کے کسی ملک پر دعویٰ کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ فاطمہ زہراؑ کے تمام اقوال و افعال حق و صداقت کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر فاطمہ زہراؑ بغیر حق کے فدک طلب کریں تو وہ رجس ہے اور ان کے لئے یہ محال ہے۔

۳۔ بغیر دلیل و ثبوت کے فاطمہ زہراؑ کو کس طرح ان کے حق سے روکا جاسکتا ہے۔ درآنحالیکہ فاطمہؑ قرآن کی شریک ہیں اور چشمہ برہان ہیں

۴۔ فاطمہ زہراؑ کا دعویٰ بغیر حق کے کیسے ہوسکتا ہے جس کی شان میں رسولِ خدا نے فرمایا "فاطمہ بضعۃ منی" کیا وہ فاطمہؑ جو رسولؐ خدا کے جسم کا ایک جزو ہو جھوٹا دعویٰ کریں گی؟ ہرگز نہیں وہ اس سے بالکل بری ہیں۔

۵۔ رسولِ خدا نے فرمایا "انا حرب لمن حاربکم"۔ جو تم سے جنگ کرے میں اس سے جنگ کرونگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جنگ میں فاطمہ کے ساتھ رسولِ خدا بھی شریک ہیں۔ بیشک جو فاطمہؑ سے لڑے وہ رسولِ خدا سے لڑا۔ کیونکہ ایک روز رسولِ خدا نے علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ کو ایک جگہ جمع کرکے فرمایا "انا حرب لمن حاربکم و سلم لمن سالمکم"۔ میں اس سے لڑوں گا جو تم سے لڑے اور میں اس سے صلح و آشتی کرونگا جو تم سے صلح و آشتی کرے

۶۔ ظاہر ہے کہ جب فاطمہؑ اپنے حق سے محروم کی گئیں ہونگی تو ضرور رنجیدہ ہوی ہونگی کیونکہ انسان کی فطرت اثر لینے پر مجبور ہے۔ صحیح بخاری میں عائشہ سے حسب ذیل حدیث منقول ہے۔ ایک روز فاطمہؑ غصب فدک کی اطلاع دینے کے لئے میرے باپ ابوبکر کے پاس آئیں اور فرمایا "کیا میرے باپ رسول اللہ نے فدک مجھے نہیں بخشا" ابوبکر نے کہا "میں فدک واپس نہیں کرسکتا"۔

فاطمہ مایوس ہوکر واپس ہوئیں اور وقت وفات تک اسی طرح غمناک رہیں"۔

یہ حدیث تمام کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن میں نے صحیح بخاری سے نقل کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاطمہ علیہ سے

مرتے دم رنجیدہ رہیں۔ حالانکہ رسولخدا نے فرمایا کہ " فاطمہ بضعۃ منی من آذاھا فقد آذانی " فاطمہ میرا پارہ جگر ہے جس نے اسکو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی۔ یہ ایسی حدیث ہے کہ جس سے انکار یا اس کےخلاف کہنا ممکن نہیں ہے۔ یعنی غصب فدک سے فاطمہؑ کا رنجیدہ نہ ہونا محال ہے۔ اسی طرح فاطمہؑ کے رنجیدہ ہونے سے رسولخدا کا رنجیدہ نہ ہونا محال ہے۔ اب ہم اصل دعا سے احتجاج کرتے ہیں۔

جو روایت ابی عبداللہ بخاری نے صحیح بخاری حصّہ فرائض میں لکھی ہے۔ ہم یہاں اُس کا صرف مفہوم لکھتے ہیں فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا۔ اے ابابکر اگر تمہارے باپ انتقال کر جائیں تو اُن کا وارث کون ہوگا" ابوبکر نے جواب دیا "اُن کا وارث اُن کا بیٹا میں موجود ہوں۔ فاطمہؑ نے کہا " میرے باپ کا وارث کون ہے"۔ ابوبکر نے کہا" آپ جوان کی بیٹی ہوتی ہیں" فاطمہؑ نے کہا اور پھر کیوں فدک مجھ سے چھینے لیتے ہو" ابوبکر نے کہا " حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث" یعنی ہم گروہ انبیاء کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا ہمارا وارث ہوتا ہے۔" فاطمہؑ نے فرمایا " میرے باپ نے اپنی حیات میں مجھے ہبہ فرمایا تھا اور وہ ابتک میرے قبضہ میں ہے " ابوبکر نے کہا" آپکو شہادت پیش کرنا ہوگا"۔ فاطمہؑ نے علیؑ اور ام ایمن کو پیش کیا۔ اس اعتبار سے علیؑ کی گواہی پوری اور ام ایمن کی نصف بھی خلیفہ نے قبول نہ کیا۔ فاطمہؑ مایوس اور ناامید واپس ہوگئیں"۔ اب اس دعوی کی حقیقت پر کسی قدر محاکمہ کریں۔

اولاً جس حدیث سے خلیفہ نے استدلال کیا وہ " خبر واحد" ہے اور خبر واحد قرآن کے مقابل نہیں آسکتی دوسرے۔ اگر ہم اس حدیث کی صحت کو قبول بھی کرلیں تو مقصود آنحضرت کا مال کسی کی وراثت نہیں ہوسکتا بلکہ نبوت کی وراثت مُراد ہے اسلئے کہ رسولخدا نے اس زمانہ میں یہود اور نصاریٰ کے احتجاج کے جواب میں فرمایا تھا کہ نبوت میراث نہیں ہے جسکی وجہ سے یہ سلسلۂ بنی اسرائیل سے ہونا لازم ہو اگر نبوت میراث ہے تو رسولخدا بھی بنی اسرائیل کے قوم وقبیلے کے ہوں اسلئے رسولخدا نے اس ارشاد سے اپنا دفاع فرمایا۔

تیسرے۔ اگر یہ حدیث مال کی وراثت کے لئے ہوتی تو ایسی صورت میں لازم تھا کہ تمام انبیاء کے لئے کوئی وارث ہی نہ ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کے متروکہ کو اُن کے ورثاء نے آپس میں تقسیم کرلیا اور دلیل نقلی بھی اسکو ثابت کررہی ہے۔ جیسا کہ قرآن عظیم میں حضرت ذکریا کا واقعہ اس طرح بیان فرماتا ہے۔ " یرثنی ویرث من

آل یعقوبؑ (یعنی اور آل یعقوبؑ کا وارث ہو) آل یعقوب کی اولاد کی اولاد ہونا اسی پر منحصر تھا کہ وہ آل یعقوب اور زکریاؑ کا وارث ہو کیونکہ آل یعقوب میں غیر نبی بھی تھے۔

چوتھے۔ یہ حدیث فاطمہؑ کے دعوے سے کسی صورت میں تعلق نہیں رکھتی اسلئے کہ فدک پر فاطمہؑ کا تصرف وراثت کی حیثیت سے نہ تھا بلکہ ہبہ کی حیثیت سے تھا اور حدیث وراثت کی مانع ہے نہ کہ ہبہ کی۔

پانچویں:۔ گواہوں کا لانا فاطمہؑ کے لئے لازم نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنی اس ملک سے مدافعہ کر رہی تھیں جس پر وہ قابض تھیں اور گواہی مدعی کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے پیش کرنا چاہیئے فاطمہؑ قابض و متصرف تھیں نہ کہ مدعیہ۔

چھٹے:۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ دوم نے اپنی خلافت کے زمانہ میں فدک حضرت امیرؑ کو واپس کر دیا لیکن حضرت نے یہ کہکر انکار فرما دیا (جبکہ حقدار کو اُس کے حق سے محروم کر [illegible] تو اب [illegible] موجودگی میں قبول نہیں کر سکتا۔ تمام اہل سیر و تاریخ یہاں تک کہ صاحب قاموس الاعلام نے بھی "ردیف۔ فدک" میں اس معاملہ کی توضیح کی ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اگر خلیفہ اول کا استدلال سچا اور صحیح تھا تو خلیفہ ثانی نے کیوں اسکو عار (برا) سمجھکر فدک اُس کے مالک کو مسترد کر دیا۔ اور اگر خلیفہ اوّل اس حقیقت سے واقف نہ تھے تو انہوں نے ایسی بے جا حرکت کر کے کیوں جگر گوشہ رسولؐ خدا پر اس قدر دباؤ ڈالکر اُن کو مجبور کیا۔ [illegible] اسلئے [illegible] خلیفہ اول [illegible]

ساتویں:۔ عمر ابن عبد العزیز (خلیفہ اموی) بہ نسبت اپنے بزرگوں کے نیکی اور عبادت میں مشہور اور حق و صداقت کی طرف مائل تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں فدک اولاد فاطمہؑ کو دیدیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام افراد اسلام جانتے تھے کہ فدک ظلم و جبر اور بغیر استحقاق کے غصب کیا گیا ہے اور اُن کو اقرار تھا۔

ہم اس افسوسناک محاکمہ کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم نے اُصول مقررہ کے موافق اپنا ہر محاکمہ ثابت کیا ہے اور اب ہم صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ خلیفہ اوّل نے اپنے تین اقدامات پر علانیہ اظہار ندامت فرمایا ہے۔
۱۔ کاش خلافت قبول نہ کرتا ۲۔ کاش بیعت لینے کے لیئے فاطمہؑ کے مکان پر لوگوں کو نہ بھیجتا۔ ۳۔ کاش فدک ضبط نہ کرتا۔ ہم کو اُن کی اس مذمت اور غیر ندامت سے کچھ تعلق نہیں لیکن یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ "کاش اس اقدام سے پہلے اسکی اصلاح اور تدارک کی تدبیر سوچ لی جاتی۔ اس پر غور کیا ہوتا کہ رسالت پناہ نے مسلمانوں کے دین و دنیا کو آباد فرمایا اور ہماری سعادت کیلئے اس قدر زحمتیں اُٹھائیں۔ آنحضرت کی رحلت کے وقت اُن کی امت

ان کے احسانات کی کسقدر زیر بار تھی - آنحضرت نے اپنی ایک ہی یادگار ایک صاحبزادی چھوڑی اور سب پر اُن کی محبت واحترام فرض قرار دیا ایسی یادگار بیٹی اور جگر گوشہ رسُولؐ کو ناامید کرنے والا واقعات تاریخی میں صحیح نہیں سمجھا جا سکتا چاہے وہ کوئی ہو -

سرورِ عالم کی رحلت کے بعد فاطمہ زہراؑ بے شمار تکالیف اور افکار میں مبتلا رہیں - اور انہی مصائب کے اثر سے دنیا سے رحلت کر گئیں - حضرت رسُولِ اکرمؐ کی اولاد جو جناب خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی فاطمہ زہراؑ سب سے چھوٹی تھیں اور رسُولِ اکرمؐ کی رحلت کے بعد صرف یہی ایک اُن کی یادگار تھیں اور امت مرحومہ میں فاطمہؑ کی یادگار حسنؑ حسینؑ - زینبؑ اور ام کلثوم تھیں -

فاطمہؑ زہرا کی شان و شرف میں جسقدر قرآنی آیات اور احادیث رسولؐ آئی ہیں اگر ہم لکھیں تو کتاب کا حجم دوہرا ہو جائے گا اسلئے ہم ان کو ترک کرنے کی معافی چاہتے ہیں

فاطمہؑ زہرا کے جنازہ کے ساتھ - علیؑ حسنینؑ - اور - چند خاص بنی ہاشم تھے - رات کو پوشیدہ طور پر جنازہ اُٹھایا گیا اسلئے نور دیدہ رسُولؐ کی مرقد منور کا نشان صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن انہی مقامات میں کسی مقام پر دفن کا احتمال ضرور ہے -

امام ثانی حسن مجتبیٰؑ

حضرت امام حسن مجتبیٰ ۳ ہجری میں فاطمہ زہراؑ کے بطن پاک سے پیدا ہوئے آپکی کنیت "ابو محمد" ہے حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible]

کس طرح [illegible]

بار بار عرض کیا ہے ہمارا مقصد اُن کے فضائل گنانا نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلب خاندان نبوت اور ارکان رسالت کے حق اور حقوق پر محاکمہ کرنا ہے اسلئے ہم اختصار کرنے پر مجبور ہیں

جب امیرالمومنین علیؑ علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی تو آنحضرت کی وصیت کے موافق امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے ایک مقام معین پر بطور مخفی آنحضرت کو دفن کر دیا۔ اس کے بعد ایک جماعت نے حسنؑ مجتبیٰ کو خلافت پر معین کر کے آپکی بیعت کر لی۔

ہم یہاں یہ لکھ دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ امامت اور خلافت میں بہت بڑا فرق ہے چنانچہ امامت اور ہے اور خلافت ظاہری اور۔ اسی طرح خلافت ظاہری امامت سے جدا ہے۔ خلافت ظاہری ہزاروں انسانوں کو میسر ہوئی ہے امامت صرف (۱۲) اشخاص کیلئے منحصر ہے۔ اور (وہ بارہ بزرگوار) حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد سے گیارہ ہیں بیشک ایک جماعت نے کتاب خدا اور سنت نبوی خدا اور دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کی شرط پر بیعت کی۔ لیکن وہ حضرت (حسن مجتبیٰ) آنے والے واقعات سے واقف تھے اور جان رہے تھے کہ یہ بیعت کرنے والے اپنے عہد پر باقی نہ رہیں گے اور اپنے اقرار سے پلٹ جائیں گے۔ باوجود اس کے چالیس ہزار لشکر جمع کر کے معاویہ کی اصلاح کیلئے روانہ ہوئے جو حق کا دشمن اور امام کی اطاعت سے خارج تھا۔ جب "مدائن" کے مقام پر پہنچے تو آپ کی سپاہ میں بدنظمی پھیل گئی اور ایک بدبخت کے ہاتھ سے ایسے زخمی ہوئے کہ نہایت افسوسناک طریقہ سے آپکو خلافت ظاہری سے دستبردار ہونا پڑا۔ کیونکہ آپ جان رہے تھے کہ ایسے بے نظم اور بداخلاق لشکر سے دشمن کا مقابلہ کریں تو آپ کے اہلبیت اور طرفدار سب ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔ اس لئے ظاہری اُمور کو اپنے دشمن کے حوالہ کر دیا۔

امام حسن علیہ السّلام نے صلح کے ضمن میں جو شرائط قرار دیئے تھے معاویہ نے ایک پر بھی عمل نہ کیا سب سے اہم شرط یہ تھی کہ معاویہ کے مرنے کے بعد خلافت اپنی اصل (حسن مجتبیٰ) کی جانب پلٹا دی جائے۔ معاویہ کا اس شرط پر عمل نہ کرنا بالکل ظاہر ہے اسی بناء پر عمرو عاص کے حیلہ سے حسن مجتبیٰؑ کو مسجد میں بلا کر خواہش کی کہ آپ منبر پر تشریف لیجائیں۔ اس سے منشا یہ تھا کہ امام حسن مجتبیٰؑ منبر پر معاویہ کے مستحق خلافت ہونے کا اقرار کریں لیکن معلوم ہے امام ایسے خلاف واقع مطلب کے متعلق ہرگز گفتگو نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ آپ نے منبر پر تشریف لیجا کر ارث اور وصایت کی بناء پر خلافت کا خانوادہ رسالت سے مختص ہونا اور اپنی مجبوری کا حال بیان کیا اور صلح کی وجہ بیان فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں جنگ پر قائم رہتا تو اہلبیت نبوت کے ارکان بالکل مٹ جاتے اور میرے مخصوص طرفدار عالم آخرت کی راہ لیتے معاویہ خلافت کے لائق نہیں بلکہ غاصب خلافت ہے۔

معاویہ کے طرفداران حق گفتگو کو سنکر دلگیر ہوئے اور امام کو: بر نے اس طرح کھینچا کہ آپ کا سر مبارک مسجد کے ستون سے زخمی ہوگیا۔ اُسی دن سے معاویہ نے جگر گوشہ رسُول کو شہید کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا

معاویہ کے طبیب خاص "ابن آثال" نصرانی نے الماس کی خاک بنائی تھی جو بہت تیز زہر ہے۔ مروان کے ذریعہ سے یہ زہر بھیجا حکم دیا کہ امام کو کسی طرح کھلادے۔ مروان نے جعدہ بنت اشعث کو دس کرد یکر آمادہ کرلیا اور اُس زہر کیساتھ جو سونا معاویہ نے بطور صلہ کے روانہ کیا تھا جعدہ کو دیدیا اور معاویہ کے حسب وعدہ یزید کی زوجیت کی خوشخبری بھی سُنا دی۔ اُس ملعونہ نے وہ زہر کھانے میں ملاکر حضرت کو کھلا دیا۔ چالیس روز تک مختلف تکالیف میں مبتلا رہکر آپ نے دارِ باقی کی راہ لی۔ رسُولِ خدا کی یادگار کی حرمت امت نے اس طرح کی!

امام حسن علیہ السلام کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا لیکن اثر نہ ہوا۔ ظالموں نے آنحضرت کو گھر میں بھی چین سے رہنے نہ دیا چند مرتبہ مدینہ سے ہجرت کرکے موصل اور شام تشریف لے گئے۔ مگر معاویہ اور اُس کے مددگاروں نے چند اشرار کو مامور کیا۔ اور وہ آپ کے کھانے میں زہر ملاتے رہے۔ آخر کار جگر گوشہ رسُولِ خدا کے جگر کو زہر سے پارہ پارہ کردیا الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

تعجب یہ ہے کہ اہلسنت کے بعض علمائے متقدمین نے معاویہ جیسے ظالم و غدار ہستی کے طرفدار ہوکر اُسکی برائیوں اور قباحتوں کے متعلق عذر تراشا ہے اور اُس کے اس فعل کو یزید سے منسوب کرکے معاویہ کو بری کردیا۔ اُن بیچاروں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ ان عذرات سے اُن کو دُنیا کا فائدہ ملتا ہے اور نہ آخرت کا۔ ہم نے معاویہ کی ماہیت۔ اُسکے اعمال کی کیفیت۔ اُس کے حرکات۔ اُسکی بدعنوانیاں اور اختراعات جو دین میں کئے اور دوسرے عمال خبیثہ و رزیلہ، لائق کے ساتھ محاکمہ کرکے اپنی تصنیف "ارشاد ھمز دی" میں جو اس موضوع میں ہم نے لکھی ہے تفصیل کیساتھ ثابت کرکے لکھا ہے۔

معاویہ کی یہی بد عملی یعنی حسنؑ مجتبیٰ کو زہر دینا تمام اسلامی مؤرخین نے لکھا ہے۔

لیکن ہم ارباب نظر کو "سنن کبیر" "امام شعرانی"۔ "عیون الانبیاء"۔ "محفظۃ الراغب"۔ "مروج الذھب"۔ "البیان والتبیین"۔ "آغانی کبیر"۔ "حیواۃ الحیوان"۔ "قاموس الاسلام"۔ "فتوت الاسلام"۔ "عقد الفرید"۔ اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید" کے مطالعہ کی زحمت دیتے ہیں

حسنؑ مجتبیٰ بوقت انتقال (۴۶) سال کے تھے اور یہ ہجرت کا (۴۹) واں سال تھا فَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا

اَیَّ مُنقَلَبٍ یَنقَلِبُوْنَ"

حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل یہ ہے۔ حسن مثنیٰ۔ قاسم۔ زید۔ الحسین۔ عمر۔ اور حضرت کی اولاد کی اولاد میں حسن مثنیٰ کے فرزند "عبداللہ محض" ابراھیم اور حسن مثلث۔ تھے۔ ان کی ماں فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام تھیں۔ دوسری بیبیوں سے جعفر۔ داؤد۔ اور زید تھے جنکی اولاد کا سلسلہ باقی ہے۔ عمر۔ لاولد تھے۔ حسین ابن حسن کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام "فاطمہ" تھا۔ یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور حضرت اسمٰعیل کی والدہ گرامی تھیں

امام سوم امام حسین علیہ السلام

یہی کافی ہے کہ علیؑ کے مثل باپ۔ فاطمہ جیسی ماں اور حسین ابن علیؑ کے مانند باشرافت بیٹا چشم روزگار نے نہیں دیکھا سلام اللہ علیہم اجمعین

ہم اس بزرگوار امام اعظم کے ہزاروں حالاتِ کرامت علامات سے ایک علامت بھی اس رسالہ میں نہیں لکھ سکتے اور کیسے لکھیں کہ میدان مصائب اور آلام میں اس بزرگوار کے متعلق ہزاروں کتابیں ارباب کمال نے لکھی ہیں۔ اور اس امام ہادی کے حوادث کی تاریخ ہزاروں جلدوں میں پڑھنے اور پڑھانے کے لئے چھوڑ گئے ہیں

نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام انسانوں میں ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ان کے نام مبارک سے واقف نہ ہو حسینؑ کا نام دنیا کے گوشہ گوشہ میں نہایت محبت اور عزت کیساتھ خاص و عام کی زبان پر جاری ہے۔ روئے زمین پر ہر متمدن گروہ "حسینؑ" کا نام تعظیم اور احترام کے ساتھ لیتا ہے۔

اسی طرح یہود اور نصرانی مذہب والے بھی اس بزرگ کا نام عزت اور توقیر کے ساتھ لیتے ہیں اور اسی طرح ایشیا۔ اور آفریقہ اور امریکہ کے ارباب کمال نے بھی آل محمدؐ کے اس مجاہد اور جانباز کے حالات کے متعلق ہزاروں کتابیں لکھی ہیں

بیشک جیسے جیسے زمانہ گزرتا جارہا ہے حسینؑ کا نام ظہور اور شہرت پیدا کررہا ہے نہ یہ کہ ہر زمانہ میں بلکہ ہر سال تمام عالم اسلام میں اس بزرگ کا نام زندہ ہو رہا ہے اور ترقی کیساتھ زندہ ہو رہا ہے۔

"دنیا میں مسلمانوں کی آبادی چار سو ملین ہے۔ ہر مذہب اور ہر جماعت دسویں محرم الحرام یعنی "عاشور" کے دن گریہ وزاری اور ماتم کرتی ہے۔ عالم۔ جاہل۔ شہری۔ دیہاتی اس دن رونا پیٹنا۔ سینہ زنی کرنا۔ واحسینا کہنا اپنا دینی

اور شرعی حق سمجھتا ہے

نصف صدی پہلے جماعت اہلسنت آنحضرت کی عزاداری کے اظہار میں تساہل کرتی تھی لیکن مرور زمانہ سے یہ جاہلانہ تعصب اُن سے دور ہو گیا۔ اور امید ہے کہ اسلامی اور ایمانی نور کی چمک سے ایسے شیعہ بھائیوں نے ساتھ مشترکہ عمل کر کے اس وظیفۂ دینی کو پورا کرنے کیلئے ہمیشہ اس عزاداری کو وسیع اور بلند کریں گے۔

ہمارے نقطۂ نظر سے حسینؑ کے اس بڑے ماتم میں اشتراکِ عمل واجب و لازم ہے اور اس مدعا کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کرنے کے لئے ہم حاضر ہیں۔ اولاً۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی (۲۳) سالہ مدت رسالت میں تمام ہم بنا اور دین کی حفاظت کی خاطر کس قدر حیرت ناک زحمتوں سے دوچار ہونا پڑا اور شرع انور کی راہ میں بڑے بڑے غزوات لڑے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے امت مسلمہ کے لئے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو دستور العمل بنایا اور دین کی بنیاد اور اسلام کی عمارت کی حفاظت افراد ملت پر واجب قرار دی کر آپ نے رحلت فرمائی لیکایک نور ہاشمی کے مقابلہ میں اموی ضلالت اور علم محمدی کے مقابلہ میں جہل یزیدی نے دین کی اساس کو پامال اور احکام نبوی کو متروک کر دیا۔ اس کے مقابلہ میں امت کا سب سے بڑا مجاہد۔ اسلام کا سب سے بڑا فدائی اور رسول خدا کا غیرت مند یادگار (حسینؑ) میدان مجاہدہ میں کھڑا ہو گیا اور چالیس ہزار کے مقابلہ میں بہتر نفوس کو سیکر ظلم کو دفع کرنے کیلئے۔ جان۔ مال۔ اہل و عیال۔ تمام عزیز و اقارب اور اپنی اولاد کو فدا کر دیا۔ اور نور ایمان اور روح قرآن پھیلانے کی خاطر اپنی ہستی سے گزر گیا ایسی معزز و محترم ہستی کی تعظیم اور بزرگی اور ایسے مجاہد اعظم کا سوگ منانے کے لئے عقل اور تجربہ کی رُو سے تمام عالم انسانیت مامور اور مجبور ہیں۔

بیشک یہ عظیم ہستی وہی حسینؑ ہے کہ جس نے بہتر بزرگوار نہ صرف تمام عرب بلکہ تمام دنیا کے مقابلہ میں حقانیت ثابت کرنے کے لئے بغیر یار و مددگار کے اکیلا سدِ راہ ہو گیا اور مطلق کسی کی پرواہ نہ کی۔

یہی وہ مجاہد اعظم ہے کہ جس کے مشہور باپ نے عمرو ابن عبدود کے مقابلہ میں مطلق خوف و ہراس نہ کیا جبکہ ہزار و صحابہ اُس ایک پہلوان سے مقابلہ کرنے کے لئے خائف تھے۔

غیرت احمدی اور صولت حیدری نے ذات حسینی میں اپنا جلوہ دکھایا اور بنیاد اسلام کو یزید کے تسلط سے چھڑانے کے لئے ایسی بے نظیر جان بازی پر تیار ہو گیا۔

بیشک اُس وقت جسطرح یہ جانبازی تمام اہلِ اسلام پر لازم تھی ۔ اسی طرح آج اس جان بازی کا نمونہ یعنی حسینؑ کا ماتم تمام اہلِ اسلام کا وظیفہ ہے اور اُن پر واجب لازم ہے کہ اسکی عزت کریں اور اس فداکار (حسینؑ) کی پیدائش کے دن عید اور شہادت کی تاریخ بطور یادگار کے سب کیلئے ماتم کا دن ہونا چاہیئے

اس متمدن زمانہ پر نظر فرمائیے ۔ قوم کے ایک لیڈر، حاکم یا کسی مشہور صنعت کے موجد یا کسی فاتح کی یادگار کس ... منائی جاتی ہے ۔ اور عقلاً یہ ضروری ہے کہ اس طرح اُس کا حق ادا کیا جائے

... ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی باہمی تفریق اور نفاق اہلبیت نبوی کی تحقیر، اُن کی قدر و منزلت نہ کرنے ۔ اور آلِ طاہرین کے مدارج نہ پہچاننے کی وجہ سے ہے ۔ لہذا پھر اُسی مرکز مقدس پر جمع ہو کر اس اختلاف کو اتحاد سے بدل دینا چاہیئے ۔ اسکی پہلی علامت یہ ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ حسینؑ کے ماتم میں عملی حصہ لیا جائے جس سے صاف طور سے ظاہر ہو ... علامت (یعنی حسینؑ کے ماتم میں شریک نہ ہونا) اب باقی نہیں رہی اور سب مسلمان متحد اور متفق ہیں

... بہت سے احادیث و اخبار سے ثابت ہے کہ جگر گوشۂ زہراؑ کے مصائب میں غم اور الم کا اظہار واجب ہے ۔ ... الحنفی" جو بڑے تابعی اور ابو حنیفہ کے استاد تھے وہ روایت کرتے ہیں کہ " ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام ... کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے (علیؑ) فرمایا۔ یَا بُنَیَّ سَتُقْتَلُ بَعْدِی وَ تَبْکِی عَلَیْکَ [illegible] الْاَرْضُ اے فرزند یہ ہے کہ تم میرے بعد قتل کئے جاؤ گے اور آسمان و زمین تم پر روئیں گے اس کا ثبوت ... کی طرح ظاہر ہے۔

بیشک امام حسین علیہ السلام نے یزیدی کفر سے اسلام کو نجات دلانے کیلئے اہلِ کوفہ کی دعوت قبول کی اور اپنے چچا زاد بھائی مُسلم ابن عقیل کو پہلے کوفہ روانہ فرمایا ۔ اور آپ اپنے اہلبیت طاہرہ و اہلِ قرابت اور خاص متعلقین کے ہمراہ کوفہ کو روانہ ہوئے مسلم ابن عقیل کے پہنچتے ہی اہلِ کوفہ نے اُن کے ہاتھ پر امام کی بیعت کی ۔ اسی اثنا میں عبیداللہ ابن زیاد یزید کے حکم سے کوفہ کا حاکم ہو کر یکایک کوفہ پہنچ گیا۔ اس خبر کے پاتے ہی غدار اور بے وفا کوفیوں نے بیعت توڑ دی اور ان لوگوں کی بے وفائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مُسلم اور ان کے دو فرزند خرد سال شہید ہوئے اور کوفیوں کو ڈرانے کے لئے اُن کی لاش دار پر لٹکا دی گئی ۔

اسی واقعہ کے وقت امام علیہ السلام کوفہ کے قریب نہر فرات کے کنارے ابن زیاد کی بھیجی ہوئی سپاہ کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے

اس وقت آپکی اولاد و اقربا سے اٹھارہ اشخاص اور چوالیس آپ کے اصحاب تھے۔ جنگ شروع ہوئی پہلے خاندان اہلبیت کے دوستوں نے میدان جنگ میں شہادت کی سعادت کا شرف حاصل کیا (انا للہ و انا الیہ راجعون) اس اثنا میں فرات کا پانی بند کر دیا گیا اور رسولؐ کی آل تین روز تک پیاسی رہی۔ اور آل رسولؐ سے اٹھارہ بزرگوار فرداً فرداً ایک بعد دیگر میدان جنگ میں امام علیہ السلام کے روبرو شہید ہوئے اور مسلمانوں کا امام اپنے دوستوں اور عزیزوں کی شہادت کے بعد تنہا رہ گیا۔

کربلا کے سب سے بڑے مجاہد سید الشہداء کے علمدار ابوالفضل العباس ابن امیرالمومنین قاسم ابن الحسنؑ امام کے بھتیجے فرزند رشید علیؑ اکبر۔ عبداللہ ابن جعفر طیار کے دو فرزند عون اور ابراہیم تھے۔

اسی اثنا میں امام علیہ السلام کے چھوٹے فرزند نے پیاس کی شدت اور بیتابی سے زبان حال دکھلا کر اپنے باپ سے پانی طلب کیا۔ ساقی کوثر کا فرزند نہر کے کنارے اپنے چھ مہینہ کے بچے کو ایک چلو پانی پلانے پر قادر نہ تھا۔ علیؑ اصغر کو اپنے ہاتھوں پر لئے ہوئے فرات کے کنارے آئے اور ایسے الفاظ میں اپنے شیرخوار بچہ کیلئے پانی طلب فرمایا کہ قلم کو لکھنے اور زبان کو کہنے کی قدرت و قوت نہیں ہے افسوس کہ امت نے ایک گھونٹ پانی اس چھوٹے امام زادہ کو نہ دیا اور زہر آلود تیر سے اُس معصوم کو شہید کر دیا۔

جب امام تنہا رہ گئے تو حجت تمام کر کے شہادت کا ارادہ فرما لیا۔ کفار کے گروہ نے امام کو شہید کر دیا۔ اور ان کا سر مبارک تن سے جدا کر کے یزید کیلئے تحفہ بھیجا۔ اُن کے خیام عصمت کو تاراج کر کے آگ لگا دی۔ امام کا سر مبارک نیزہ پر اور اہلبیت نبوت کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے شام کو یزید کے پاس لے گئے۔ بیشک یہ سب نور دیدہ رسولؐ کا احترام اور پیغمبر امت کی یادگار کی حرمت جو امت نے کی "وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون"۔

قافلہ امامت جو کربلا سے لوٹا اس میں صرف ایک مرد حضرت علیؑ اوسط امام زین العابدینؑ اُس وقت بیمار تھے امام کی ہمشیرہ زینبؑ اور ام کلثومؑ اور لڑکیاں سکینہؑ و فاطمہؑ اور آنحضرت کے دوسرے اہل و عیال تھے۔

حضرت حسینؑ کے تین فرزند تھے کربلا کی سب سے بڑی قربانی علیؑ اکبر جن کی ماں "لیلا" تھیں۔ دوسرے علیؑ اصغر جو حرملہ کی تیر سے باپ کی آغوش میں پیاسے شہید ہوئے تیسرے زین العابدینؑ جو کربلا میں بیمار تھے۔ یہی باقی آئمہ کے والد

ہونے لگیا۔

امام پاک کی قبر کربلائے معلیٰ میں ہے جو تمام عالم اسلام کی دوسری زیارت گاہ ہے اور ہر سال لاکھوں زوار آتے ہیں "زاد اللہ شرفہا"۔ ہم یہاں ایک اہم مسئلہ کا ثابت کرنا واجب و لازم سمجھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اہلسنت و جماعت متبرک قبور کی زیارت اور مشائخ کے مدفنوں پر جانا کس قدر ضروری اور ثواب سمجھتے ہیں۔ اکثر اہلسنت و جماعت حضرت بہاء الدین نقشبندی کی زیارت کے لئے "بخارا" کو یا شیخ اکبر کی زیارت کیلئے مصر کو یا جلال الدین رومی کی زیارت کیلئے قونیہ کو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ "ہزارہا اہلسنت" "اناطولیہ" جاکر صلحاء اور مشائخ کی زیارت کرتے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ کربلائے معلیٰ جاکر آئمہ اطہار کی زیارت کریں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب آپ مشائخ اور صالحین کی زیارت حصول ثواب کے ارادہ سے کرتے ہیں تو کیوں آئمہ اطہار کی زیارت کیلئے نہیں جاتے۔

اگر اُن مشائخ میں فیض اور نور ہے تو وہ نور اور فیض محمدی ہے یا فیض علوی۔ کیونکہ نور محمدی کے سوا کوئی دوسرا نور نہیں ہے اور نہ فیض علوی کے سوا کوئی دوسرا فیض۔ جن مشائخ اور صلحاء کی قبور کو ہم نے زیارت گاہ قرار دیا ہے اگر وہ ائمہ اطہار خصوصاً حسینؑ کے کمترین خدمتگزاروں میں محسوب ہو جائیں تو انکے لئے باعث فخر ہے ارباب حقیقت اور خواجگان تصوف کے تمام اُستادوں کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام عالم کو فیض پہنچانے والے اور تمام ارباب طریقت کے اُستاد حقیقی امیرالمومنین علی ابن ابی طالب ہیں۔ تمام مشائخ نے اس قول کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔

جب صورت مسئلہ یہ ہے تو پھر کیوں ان مشاہد کی زیارت کو نہ جائیں جو محل فیض و منبع نورانیت ہیں۔

ہم نے جو عرض کیا اُس سے عام اہلسنت مراد نہیں ہیں بلکہ ہمارا روئے سخن اس جماعت کے علماء و فقہا کی جانب ہے جو دین کے حکمران اور جماعت کے روح رواں ہیں۔ ان علماء کا اپنی جماعت کو ایسے امور کی جانب متوجہ نہ کرنا اور شوق نہ دلانا اُسی منحوس تعصب کا نتیجہ ہے اور اتحاد اسلامی کے لئے مہلک مرض ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ تدریجاً اسلامی اتحاد کی جڑیں مضبوط کرکے عام مسلمان اپنے ائمہ کی چوکھٹوں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کے لئے اُن بزرگواروں کی زیارت میں تعجیل کریں گے۔ ہم اس پر اطمینان کامل رکھتے ہیں کہ اس خصوص میں اس وقت تک جو نقصان اُٹھائے ہیں (یعنی زیارت نہ کرکے) اُسکی تلافی ہو جائیگی

(چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام)

امام زین العابدین علیہ السلام امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے دو سال قبل سنہ (۳۸) ہجری میں تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ نوشیروان عادل کی نسل سے تھیں۔ آپ کا اسم مبارک علیؑ اور آپ بعد آنے والے آٹھ اماموں کے باپ ہیں اگر ہم دنیا کے تمام انسانوں کے مصائب و آلام اور صدمات و تکالیف کو جمع کریں تو اُن مصائب و آلام کے برابر نہیں ہو سکتے جو انبیاء عظام پر گزرے۔ اور اگر تمام انبیاء کے مصائب و آلام پر غور کریں تو اُن بارہ آئمہ اہلبیت کے برابر نہیں ہو سکتے جو اُن پر وارد ہوئے اور ان بارہ آئمہ کے مصائب کو ایک جگہ جمع کریں تو اُن مصائب و تکالیف کے برابر نہیں ہو سکتے جو تنہا امام زین العابدین علیہ السلام پر گزرے۔ امام سجادؑ دو سال کے تھے جبکہ آل محمدؐ پر مصائب شروع ہوئے۔ امیرالمومنینؑ کی شہادت امام حسنؑ کی [illegible] کربلا کی قیامت۔ شام میں وارد ہونا۔ کوفہ کی شماتت۔ اور حقارت۔ انہی تمام مصائب کے برداشت کرنے میں کچی عمر بسر ہو گئی

امام سجاد کے ایک خاص صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ کے شب و روز رونے سے میرا دل جل گیا اور میں نے عرض کی "یا ابن رسول اللہ ایک روز تو راحت و آرام سے رہیئے" امام نے میری طرف دیکھکر فرمایا "حضرت یعقوبؑ کے کتنے فرزند تھے" میں نے عرض کی بارہ فرزند تھے" امام نے فرمایا ان میں کتنے غائب ہو گئے تھے" میں نے کہا "ایک" آپ نے فرمایا" جبکہ اولاد میں سے ایک فرزند غائب ہوا اور حضرت [illegible] سفید ہو گئیں۔ میں کسطرح آرام سے رہوں جبکہ خاندان رسالت کے بارہ افراد ایک دن میں میری [illegible] کے سروں کو کاٹ کر اُن کے برہنہ جسم [illegible] پر چھوڑ دیئے "علامہ دمیری" "حیوۃ الحیوان" میں اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

ایک روز امام زین العابدین مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے آپ ایک خوش رفتار خچر پر سوار تھے [illegible] بدبخت شامی نے آپ کا فاخرہ لباس دیکھکر آپ کا نام مبارک پوچھا۔ یہ جانتے ہی کہ آپ زین العابدین ہیں۔ آپکو گالیاں دینا شروع کیا۔ آپ نے اُس کی گالیوں کے جواب میں فرمایا "اے شخص میں سمجھتا ہوں تو مسافر ہے" "شامی نے عرض کی" ہاں مسافر ہوں" امام نے فرمایا اگر ایسا ہے تو میرے گھر چل کھانا چاہتا ہے تو میں کھلاؤں۔ لباس کی ضرورت ہو تو میں دوں اگر سواری چاہیئے تو میں دیتا ہوں۔ یہ جواب سنکر شامی کو غش آگیا اور وہ زمین پر گر گیا

حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب "حلیۃ الاولیاء" میں روایت کی ہے کہ "امام زین العابدین کے خاص صحابی" زہریؒ"

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبدالملک ابن مروان نے امام علیہ السلام کو طوق و زنجیر میں جکڑ کر مدینہ سے شام لانے کا حکم دیا۔ ایک منزل پر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس حالت کو دیکھ کر میں نے عرض کی "کاش آپ کے بدلے مجھے قید کر کے یہ طوق اور بیڑیاں پہنائی جائیں" آپ نے فرمایا "اے زہری" "اگر میں چاہوں تو ابھی یہ طوق و زنجیر نکال دوں"۔ یہ فرما کر حضرت نے اپنے گلے اور ہاتھ پاؤں سے۔ طوق۔ بیڑیاں۔ اور ہتھکڑیاں نکال دیں اور ایک مدت تک میری نظر سے غائب رہے۔ اس قسم کے ہزاروں معجزات و کرامات امام زین العابدین علیہ السلام کے ہمارے پیش نظر ہیں جن کو ہم یہاں لکھنے پر قادر نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام کی عمر شریف پچاس سال کی تھی جبکہ آپ نے مدینہ طیبہ میں ۹۵ ہجری میں انتقال فرمایا۔ آپ کی مرقد اطہر امام حسن مجتبیٰؑ کی قبر مبارک کے ساتھ ایک گنبد میں ہے۔ اور امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام کی قبریں بھی جنت البقیع میں اُسی گنبد کے اندر ہیں۔ اُس قبہ پاک و تابناک کا کیا کہنا کہ جس میں چار اماموں کے قبور ہوں "زاد اللہ شرفہا"

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بیس بچے تھے گیارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں لیکن سلسلہ امامت امام محمد باقر علیہ السلام سے جاری رہا۔

پانچویں امام۔ امام محمد باقر علیہ السلام

امام ابو جعفر محمد باقر ۵۷ ہجری میں تولد ہوئے۔ آپکی والدہ گرامی امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی "ام عبداللہ" تھیں۔ آپ پہلے علوی ہیں جو علویہ کے بطن طاہر سے پیدا ہوئے۔ آپ اُس عہد میں علوم دینیہ و قرآنیہ کے مرکز تھے اسی بناء پر آپکو "باقر" کہتے تھے لیکن بنی اُمیہ کے ظالم حکام نے اُس بزرگوار کو انوار حقیقت کے پھیلانے سے روکا۔ اسلئے حضرت باقر نے گوشہ نشینی اختیار کی اور آپ کے علوم و اجتہاد سے کسی کو فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ دیا۔ البتہ آپکی اولاد اور چند خاص دوست آپ کے علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ ۱۱۴ ہجری میں آپکی رحلت ہوئی جبکہ آپکی عمر شریف ترسٹھ سال کی تھی اور آپ بقیع میں دفن ہوئے۔

آپ کے چھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑے ابو عبداللہ جعفر صادق۔ ان کے بعد عبداللہ۔ علی۔ (زید) عبیداللہ۔ ابراہیم۔ تھے۔ سلسلۂ وصایت و امامت ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جاری رہا

چھٹے امام - امام جعفر صادق علیہ السلام

اس امامؑ کی جلالت قدر اور عظمت شان دائرہ تقریر و تحریر سے باہر ہے۔ اس امام کے علم و عرفان کا درجہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "جابر ابن حیان الصوفی" آپ کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور انہوں نے حضرت سے جو علوم حاصل کئے ان کی لکھی ہوئی پانچسو کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی پر غور فرمائیے کہ آپ کے ایک شاگرد نے اتنا جمع کیا اور دوسرے شاگردوں نے جو حاصل کیا اگر اُن سب کو جمع کیا جائے تو کسقدر ہوگا۔ امام جعفر جسطرح اپنے سلسلہ کے امام کے وصی تھے اسی طرح دینی علوم کے محیط اور قرآنی علوم کے ماخذ بھی تھے۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ علم دس حصوں میں تقسیم ہوا ہے۔ نو حصے امیرالمومنین کیلئے مخصوص ہیں۔ اور ایک حصہ دوسروں کو ملا۔ ہم کہتے ہیں کہ جو علوم امیرالمومنین کیلئے تھے امام جعفر صادق تک پہنچتے پہنچتے روز بروز ترقی کرتے گئے اور وہ تمام علوم آنحضرت میں تھے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن انسامی کتاب "طبقات المشائخ" میں کہتے ہیں کہ "ان الامام جعفر الصادق فاق جمیع اقرانہ" "وھو ذو علم غزیر فی الدین و زھد بالغ فی الدنیا و ورع تم عن الشہوات وادب کامل فی الحکمۃ"۔

مقتدائے ارباب تصوف اور پیشوائے مشائخ طریقت "بایزید بسطامی" کہتے ہیں کہ "میں نے نو دیر نو استادوں کی خدمت کی (یعنی اُن سے علم حاصل کیا) اگر امام جعفر صادق کی خدمت میں نہ پہنچتا تو بغیر ایمان کے قبر میں جاتا" ..... سے امام کی جلالت قدر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

علامہ دمیری کتاب "حیواۃ الحیوان" میں روایت کرتے ہیں کہ "ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کہتے ہیں کہ "میں ربیع کے ہمراہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا "کیا تم قیاس پر عمل کرتے ہو"۔ میں نے عرض کی "وہاں"۔ اُس وقت امام نے فرمایا۔ لا تقیسوا فان من قاس ابلیس فانہ قال انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین"۔ (ترجمہ) اے ابو حنیفہ قیاس نہ کرو کیونکہ پہلا شخص جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ اُس نے کہا کہ "میں اُس سے (آدم سے) بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ "امامؑ نے مجھ سے چند سوال فرمائے اور میں کسی ایک کا بھی جواب نہ دے سکا خود حضرت نے اس مسئلہ کی صراحت کرتے

ہوئے فرمایا کہ تمہارے سر میں چار قسم کا پانی ہے۔ منہ میں۔ ناک میں۔ آنکھ میں۔ اور کان میں۔ اگر قیاس صحیح ہوتا تو چاہیے تھا کہ ان چاروں کا مزہ ایک ہی ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان چاروں کا مزہ مختلف ہے۔ مثلاً منہ کے پانی کا مزہ شیریں ہے آنکھ کا ترش۔ ناک کا کھارا۔ اور کان کے پانی کا تلخ۔ ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کہتے ہیں کہ "امام جعفر صادق نے ان چار رطوبتوں کی تخلیق حکمت اور مصالح الٰہی کی اس طرح توضیح فرمائی کہ میں امام کے علم سے حیران ہو گیا"۔

[illegible] کی بازگشت۔ وارث علم امیر المومنین امام جعفر صادق علیہم السلام کی وجہ سے ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ "حضرت جعفر اپنے نانا "قاسم ابن محمد" کے شاگرد تھے" کسی طرح عقل و نقل کے مطابق نہیں ہے قاسم فاضل اور کامل ضرور تھے۔ مگر امام علم نبوت کے وارث تھے۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے یہ علم غیر امام (یعنی غیر معصوم) سے حاصل فرمایا ہو۔

باوجودیکہ علوم کے مرکز اور حکمت کے سمندر یعنی امام جعفر صادق جیسی ہستی موجود تھی لیکن اُس وقت کے جابر اور ظالموں نے ان انوار مقدسہ سے کسی کو بھی مستفید ہونے نہ دیا۔ البتہ اس کا فیض صرف آپکی اولاد اور چند خاص دوستوں تک محدود رہا۔

منصور دوانقی جو امام علیہ السلام کے عہد میں خلیفہ تھا ہمیشہ آپکو ڈراتا اور خوف دلاتا رہا۔ اور آپکو تنگ و تاریک مقامات میں بہت وزنی طوق و زنجیر پہنا کر ہمیشہ قید رکھا لیکن مدینہ میں مالک ابن انس اور کوفہ میں ابو یوسف کو انعام اکرام سے مالا مال کرتا رہا۔ مگر ابو حنیفہ نے امام وقت کی موجودگی کی وجہ سے قضاوت اور حکومت قبول نہ کی اسلئے منصور نے اُن کو قید کر کے اپنے حاجب "ربیع" کے ذریعہ سے "سو تازیانے لگوائے اور ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت اس مار کے اثر سے قید خانے میں فوت ہو گئے۔

جب کبھی منصور کو معلوم ہو جاتا کہ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے فتویٰ پوچھا ہے تو اُس بیچارے کو گرفتار کر کے سزائیں دیکاتیں۔ لیکن مدینہ کے مجتہد "مالک ابن انس" نے جب کتاب "موطاء" لکھی تو جبر و زور کے ساتھ اپنی رعایا میں شائع کرایا جس کا سبب ظاہر ہے۔ کیونکہ امام کا وجود اور آنحضرتؐ کے انوار علوم کی اشاعت اُس وقت کے ظالموں اور ہوا پرستوں کے دنیوی خواہشات اور نفسانی اغراض کے خلاف تھی

تعجب یہ ہے کہ امام کے زمانہ میں "جو شیعہ" بظاہر "تقیہ" میں تھے اسی کی بدولت انھوں نے امام کے خرمن

علوم سے خوشہ چینی کی۔ اور اپنے تمام کتب اعمال کو امام کے فتووں سے مطابق کر کے مالامال کر دیا لیکن اہلسنت جو کسی طرح تقیہ نہ کرتے تھے ہارونوں ماموںوں منصوروں اور متوکلوں سے ربط پیدا کر کے کبھی اُن ظالموں وجفاکاروں کی مخالفت کی جرأت نہ کی چونکہ ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت نے منصور کے عقیدہ کیخلاف عمل کیا تھا اسلئے قید خانہ میں قتل ہوئے۔

منصور نے ابو حنیفہ کو عہدہ قضائت پیش کیا اور ابو حنیفہ نے انکار کیا۔ اُن کے شاگرد ابو یوسف نے انکار کی وجہ پوچھی تو ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ "شریعت کے احکام دریائے عمیق ہیں" ابو یوسف نے کہا "اس بحر عمیق کو علم کے سفینہ میں بیٹھکر پار کرسکتے ہیں" ابو حنیفہ نے کہا "ہم علم کے سفینہ نہیں ہیں بلکہ علمائے اہلبیت ہیں اور اس وقت اُس سفینہ کے ناخدا ابو جعفر الصادق ہیں" اسی وجہ سے ابو حنیفہ کو تازیانے لگائے گئے۔

ایک اور حیرتناک واقعہ ہم یہاں لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ علمائے اہلسنت نے علوم شرعیہ سے متعلق بے حد و بے حساب کتابیں لکھی ہیں لاکھوں بلکہ کروڑہا احادیث روایت کئے ہیں لیکن ان میں امام زین العابدین علیہ السلام کے بعد کسی امام سے کوئی حدیث یا روایت یا خبر ضبط تحریر میں نہ لائی اور ان تمام روایات میں آئمہ اطہار کا نام مطلق نہیں ہے

فقہ کی کتابوں میں ابو یوسف۔ محمد حسن شیبانی۔ اور دوسروں کے نام ہم دیکھتے ہیں لیکن ایک مقام پر بھی کاظمؑ صادقؑ۔ اور۔ رضاؑ۔ نہیں دیکھا۔ کیا یہ خاندان نبوت کے ارکان نہ تھے۔؟

صحیح بخاری میں نو ہزار۔ اور صحیح مسلم میں گیارہ ہزار احادیث ہیں۔ جنکی صحت کا ہم اقرار کرتے ہیں لیکن ان میں ایک حدیث بھی آئمہ اطہار سے منسوب نہیں ہے اور ان تمام روایتوں میں آل محمدؐ یعنی باقرؑ۔ صادق اور کاظمؑ کا نام نہ ہونا کیا قابل افسوس نہیں ہے۔ ہم اس بحث کو یہیں ختم کر کے تاریخ کے محاکمہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

امام علیہ السلام کے پانچ فرزند تھے۔ ۱۔ اسماعیل جو اپنے والد ماجد کی حیات میں انتقال کر گئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ ۲۔ عبداللہؑ۔ اسمٰعیلؑ کے حقیقی بھائی یعنی دونوں ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے تھے۔ ۳۔ محمد دیباجؑ۔ ۴۔ موسیٰ کاظمؑ جو آنحضرت کے وصی تھے۔ ۵۔ اسحٰقؑ۔ (مصنف نے صرف چار نام لکھے ہیں اور پانچواں نام حقیر نے جنات الخلود سے لکھا ہے) مترجم اردو)

ساتویں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند ارشد تھے۔ آپکی والدہ "حمیدہ" تھیں۔ یہ ایک دلخراش واقعہ ہے کہ یہ امام اپنے زمانہ کے خلفائے بنی عباس کے ہاتھوں ہر طرح کے مصائب و آلام میں گرفتار رہے۔"

لکل موسی فرعون ولکل محق مبطل" (ہر موسیٰ کیلئے فرعون اور ہر حق کیلئے باطل ہوتا ہے) خلیفہ عباسی "محمد مہدی" نے امام کو مدینہ سے بغداد طلب کیا۔ اور آتے ہی قید کر دیا۔ ایک مدت کے بعد "مہدی" نے امیرالمومنین کو خواب میں دیکھا کہ آپ بہت غضبناک ہیں۔ صبح کو مہدی نے مجبوراً آنحضرت کو قید سے چھوڑ دیا۔ ہارون الرشید نے امام علیہ السلام کو بہت ایذائیں دیں۔ یہ ظالم ایک طرف علماء۔ فقراء۔ اور۔ اہل حاجت کو انعام دیتا اور اُن کی بزرگی کرتا تھا۔ اور دوسری جانب علم و نبوت کے وارث ائمہ اطہار کو گرفتار کر کے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا۔ ہزاروں خوشامدی شاعر علماء فقہا۔ جو اسکی مرضی کے موافق عمل کرتے اور فتوے دیتے اُن کو اپنے تخت پر بٹھلا کر اپنے انعام و اکرام سے مالامال کر دیتا۔ اور شگوفہ باغ رسالت و غنچہ گلزار امامت یعنی امام ہفتم حضرت موسیٰ کاظم کو تنگ و تاریک و مرطوب قیدخانہ میں اس طرح قید رکھا تھا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور دونوں پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اہلسنت کے علماء نے ایسے ظالم اور غدار کو سراہا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے نام کیساتھ "امیرالمومنین" لکھتے ہیں لیکن یہ سادہ دل اور بے سمجھ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ تاریخ کے ادوار ان خوشامدی پردوں کو چاک کر کے ان ظالموں اور ستمگاروں کو محکمہ عدالت کے اجلاس پر کھڑا کر دیں گے

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے حج کا ارادہ کیا اور امام موسیٰ کاظم کو بھی اپنے ہمراہ لیا جناب رسولخدا کے روضہ مطہر پر ہارون نے اس طرح سلام عرض کیا "السلام علیک یا ابن عم" "آپ پر سلام ہو اے میرے چچا کے بیٹے۔ اس اثنا میں حضرت موسیٰ کاظم تشریف لائے اور حضرت نے اس طرح سلام کیا" السلام علیک یا ابتاہ" سلام ہو آپ پر اے میرے باپ"۔ یہ سنکر ہارون کے دل میں آگ لگ گئی۔

ایک روز امام اپنی ریش مبارک ہاتھ میں لیکر سونگھ رہے تھے ہارون نے کہا "تشم من لحیتک رائحة الخلافة" آپ اپنی داڑھی سے خلافت کی بُو سونگھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا "لابل اشم رائحة النبوة" نہیں بلکہ نبوّت کی بو سونگھ رہا ہوں۔ بیشک امام کے اپنی فضائل و کمالات کی وجہ سے ہارون آنحضرت سے حسد کرتا تھا

آخر آپ کو قید ہی میں پوشیدہ طور پر زہر سے شہید کر دیا" الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین"

امام علیہ السلام ماہ رجب سنہ ۱۸۰ ہجری میں جمعہ کے روز شہید ہوئے ہیں۔ جبکہ آپ کی عمر شریف (۵۵) سال کی تھی۔ کاظمین میں آپکی قبر شریف زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ تمام ائمہ میں امام موسیٰ کاظم کثیر الاولاد تھے یعنی (۵۹) بچے تھے۔ یعنی علی الرضا۔ ابراہیم۔ عباس۔ محمد۔ عبداللہ۔ جعفر۔ حمزہ۔ زید۔ ہارون۔ اسحٰق۔ حسن۔ حسین۔ عبدالرحمٰن۔ فضل۔ احمد۔ عقیل۔ قاسم۔ یحییٰ۔ اور۔ داؤد۔ ہیں۔ ان کے علاوہ صاحبزادیاں ہیں۔ آمنہ کی قبر شریف مصر میں ہے۔ اور دوسری جناب فاطمہ جن کا روضہ پاک "قم" میں اور زیارت گاہ معصومہ قم کے نام مشہور ہے۔ چونکہ امام کے روضۂ پاک میں ہر شخص کی حاجت برآری ہوتی ہے۔ اسلئے حاجتمند لوگ آپ کو "باب الحوائج" کہتے ہیں۔

آٹھویں امام۔ امام رضا علیہ السلام

بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اُن کے فرزند ارشد امام رضا علیہ السلام اُن کی وصیت سے امام ہوئے۔ اس امام جلیل الشان کی قدر و منزلت کی تفصیل اس مختصر کتاب میں بیان نہیں ہو سکتی۔

امام علیہ السلام کا سنہ ولادت ۱۵۳ ہجری ہے۔ آپ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپکی والدہ ماجدہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ عاقلہ تھیں۔ جسطرح امام رضاؑ علوم نبوت و امامت کے وارث تھے اسی طرح اندوہ و مصائب نے بھی آنحضرت کی جانب خاص توجہ کی۔

ائمۂ اطہار میں آپ جس امام کو دیکھیں گے ایک دوسرے سے زیادہ مصائب آلام سے دوچار نظر آئیگا۔ کوئی ظلم و ایذا و اذیت ایسی نہ تھی جو امام رضا علیہ السلام پر نہ گزری ہو۔ بیشک جب آپ درجہ امامت پر فائز ہوئے تو مامون نے حیرتناک طور پر آپکی عزت و نوازش کی لیکن حضرت رضاؑ اپنے علم امامت سے جانتے تھے کہ نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔ آخر کار مامون نے کسی کو مدینہ روانہ کیا کہ امام کو خراسان لیکر آئے۔ حضرت نے مامون کی خواہش رد کر دی۔ مگر مامون کے اصرار پر امام نے مدینہ سے خراسان کا قصد فرمایا۔ جب "مرو شاہجہاں" پر آپ پہنچے تو مامون نے خواہش کی کہ آپ خلافت قبول فرمائیں۔ حضرت امام رضا اُس کے ما فی الضمیر سے واقف تھے۔ آپنے اُسکو قبول نہ فرمایا۔ آخر میں مامون نے ولیعہدی قبول کرنے کی خواہش کی۔ ۱۰ [illegible]

آپ کے ساتھ انکار میں دیا۔ بایں ہمہ امام کے انوار علوم اور رشد ہدایت سے مامون کا حوصلہ تنگ ہوگیا اور زہر جفا سے شہید کر دیا۔ مامون نے امام کے شایان فعل سے ظلم وعدل۔ حق و باطل۔ اور علم وجہل کے عدم اجتماع کو صحیح ثابت کر دیا

ابوالصلت ہروی ابن صالح۔ کہتے ہیں کہ جب امام نے خراسان کا قصد فرمایا میں بھی حضرت کے ساتھ تھا۔ نیشاپور سے چلتے وقت آپ ایک سفید قاطر پر سوار ہوئے۔ خراسان کے علماء اسحٰق ابن راھویہ احمد ابن حرب یحییٰ ابن یحییٰ نے امام کی خدمت میں عرض کی یا ابن رسول اللہ کوئی ایسی حدیث بیان فرمایئے جو آپ نے اپنے آباد اجداد سے سنا ہو اور ہم کو سرور مستفیض فرمائے۔ اُن کا یہ سوال سنکر آپنے سر مبارک بلند فرمایا اور ارشاد کیا" انی سمعت

من ابی موسیٰ قال انی سمعت من ابی ابو عبد اللہ جعفر انہ قال سمعت من ابی حسین انہ قال سمعت من ابی علیؑ امیرالمومنین انہ قال سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ انہ قال من قال لا الہ الا اللہ دخل حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی

ثم قال الا لبشرطھا و قال الامام انا من شروطھا۔ حدیث سلسلۂ امامت سے رسالت پناہ تک پہنچی ہے اس کے معنی یہ ہیں وہ کلمہ لا الہ الا اللہ" میرا قلعہ ہے (جائے پناہ) جو میرے قلعہ میں داخل ہو وہ میرے عذاب سے مامون ہے لیکن شرط یہ ہے کہ شبہ پر عمل نہ کرے۔ اور وہ" شرطوں" میں ہوں۔

امام رضا علیہ السلام سنہ ۲۰۲ ہجری میں اس زہر سے شہید ہوئے جو انار یا انگور میں آپکو دیا گیا اور اُس وقت آپکی عمر شریف (۴۹) کی تھی۔ آپکا روضۂ منورہ بارۂ طیبہ مشہد مقدس میں زیارت گاہ خاص و عام ہے جس کا طلائی گنبد دُنیا میں اپنی آپ نظیر ہے اور آپکی نسل پاک سے "امام محمد تقی" آپکے وصی اور امام ہیں

نویں امام۔ امام محمد تقی علیہ السلام

امام محمد تقی علیہ السلام سنہ ۱۹۵ ہجری میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے جبکہ معتصم بغداد میں خلیفہ تھا۔ آپکو مدینہ سے بغداد بلایا۔ آپ نبوت و امامت کے مجسمہ تھے ممکن نہ تھا ایسے ظلم و جور کے زمانہ میں آپ زندگی بسر کرسکیں۔ (۲۵) سال کی عمر میں آپ کو زہر جفا سے شہید کیا گیا اور آپکی بی بی کو محل خلافت میں رکھ لیا۔" الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین" ۔

آپکی قبر پاک آپکے دادا امام موسیٰ کاظمؑ کے پہلو میں ہے اور سلسلہ امامت آپ کے فرزند امام علی النقیؑ سے جاری ہے ۔

دسویں امام - امام علی النقی علیہ السلام

امام علی النقی علیہ السلام سنہ ۲۱۴ ہجری میں بمقام مدینہ طیبہ تولد ہوئے۔ آپکی والدہ کنیز اور اُن کا نام "سمانہ" تھا۔ آپ سلسلۂ خلفائے بنی عباس میں اپنے خلیفہ کے ہم عصر تھے جو بڑا ہی سنگدل اور اولادِ رسول کے حق میں سب سے زیادہ ظالم تھا۔ اسکی دشمنی اور عداوت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ بلند گنبد جو امام حسین علیہ السلام کے مرقد منور پر تعمیر کیا گیا تھا اس شقی نے اسکو توڑ کر زمین کے برابر کر دیا۔ امام علی نقی کو جبراً مدینہ سے سامرہ بلوا کر قید کر دیا۔ اکیس سال امام وقت قید خانہ میں رہے۔

ایک شب متوکل نے شراب پیتے اور گانا بجانے کی محفل سجائی۔ نصف شب کو حالت نشہ میں امام علیہ السلام کو اُسی حالت میں بلوایا جبکہ آپ طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے۔ آپکو [illegible] مجبور کیا اور ایک پیالہ شراب کا آپکی طرف بڑھا کر پینے پر مجبور کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گھرانے کو تمام نجاستوں سے پاک اور طاہر رکھا ہے۔ "شراب کی نشہ میں متوکل نے آپ کو گانے پر مجبور کرنا چاہا۔ یادگار بیت نبوت و خاندان رسالت نے اس سے بھی انکار فرمایا۔ امام علی النقی علیہ السلام نے [illegible] سنہ ۲۵۴ ہجری میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

امام علی النقی علیہ السلام کے دو فرزند تھے۔ ایک "ابو محمد حسن" دوسرے "جعفر" (آپ کے وصی ابو محمد حسن تھے)۔ چونکہ جعفر نے جھوٹا دعوائے امامت کیا تھا اس لئے اُن کو "جعفر کذاب" کہتے ہیں

گیارہویں امام - امام حسن عسکری علیہ السلام

امام حسن علیہ السلام کو اسلئے "عسکری" کے لقب سے ملقب کرتے ہیں کہ "سامرہ" میں فوج رہتی تھی اور آپ ہمیشہ فوجی پہرہ میں قید رہے۔ آپ سنہ ۲۳۱ ہجری میں پیدا ہوئے

اس امام کی قدر و منزلت کے لئے یہی کافی ہے کہ خداوند عالم نے آپکو ایسے فرزند سے سرفراز فرمایا کہ تمام جن و انس زمین و آسمان آپ کے ظہور کے منتظر ہیں۔ بیشک امام حسن عسکری علیہ السلام بابرکت امام زمانہ کے والد ہیں کہ جس کا ظہور دنیا

کو عدل و رحمت سے بھر دیگا جسطرح کہ ظلم و جور سے بھرا ہوا ہے۔ اسی لئے رسولِ خدا فرماتے ہیں "اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابنی" یعنی اُس کا نام میرا نام ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے بیٹے کا نام (حسن) ہوگا امام علیہ السلام نے سنہ ۲۶۰ ہجری میں رحلت فرمائی اور اپنے پدر بزرگوار کے پہلو میں مقام "سامرہ" دفن ہوئے آپ کے صرف ایک ہی فرزند "امام عصر و زماں" "محمد المہدیؑ" عجل اللہ فرجہ ہیں۔

بارہویں امام۔ صاحب العصر والزمان الامام القائم المہدی سلام اللہ علیہ

امام (ابوالقاسم محمد مہدی) ۱۵ شعبان سنہ ۲۵۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپکی والدہ گرامی نرجس خاتونؑ تھیں۔ آپکی عمر (۵) سال کی تھی جبکہ آپکے والد ماجد کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ دو مرتبہ آپکی غیبت ہوئی ہے۔ ایک غیبت صغریٰ اور دوسری غیبت کبریٰ

امام علیہ السلام اس وقت زندہ ہیں۔ جب خدا اجازت دیگا آپ ظاہر ہو کر دنیا کو اسی طرح عدل و داد سے بھر دیں گے جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہے۔ امام علیہ السلام کے ظہور پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اسلئے ہم کو دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن پیشوائے طریقت و مقتدائے تصوف "شیخ محی الدین عربی" کے مقالہ کا کچھ حصہ جو انھوں نے اُن حضرت کے متعلق لکھا ہے ہم یہاں لکھتے ہیں۔ قال الشیخ محی الدین عربی "سیظہر الامام المہدی القائم المنتظر وھو حجۃ اللہ و خلیفۃ و ظہورہ فی مکہ بین الرکن والمقام اسعد الناس بہ اھل الکوفۃ لقسم الغنیمۃ بالسویہ و یحکم فی القضیہ و یعدل فی الرعیہ و یخرج علی فترۃ من الدین ومن ابی قتل ومن نازعہ خذل یبایعہ العارفون باللہ ولہ رجال یقیمون دعوتہ و ینصرونہ و ھم وزرائہ یحملون اثقال المملکۃ و یکمل عدتھم یوما ثلثہ ماہ و ثلثہ عشر رجلا کلھم من العجم لیس فیھم عربی ولکن یتکلمون بالعربیہ الصرف الی اخرہ و انشد فی ذالک و قال شعراً۔ (ترجمہ) امام مہدی قائم منتظر حجت خدا اور اُس کے خلیفہ مکہ میں رکن و مقام کے درمیان ظہور فرمائیں گے۔ آپکے ساتھ کوفہ کے سعادتمند لوگ ہونگے۔ مال غنیمت سب کو برابر تقسیم فرمائیں گے مقدمات کا فیصلہ

کریں گے ۔ رعایا میں عدل و انصاف فرمائیں گے ۔ آپ اس وقت [illegible] سے [illegible] پیدا ہوگی
جو آپکی حکومت کو قبول نہ کریگا وہ قتل ہوگا ۔ اور جو آپ سے مقابلہ کریگا وہ ناکام ہوگا ۔ خدا کو پہچاننے والے آپ سے
بیعت کریں گے ۔ آپ کے ہمراہ کچھ لوگ ہونگے جو آپکی دعوت کو قائم [illegible] آپکی مدد کریں گے اور وہ آپ کے وزراء ہونگے
جو آپ کے سنگین خدمات کا بار اپنے [illegible] [illegible] اور دوسرے عجم
ہوں گے کوئی عرب نہ ہوگا لیکن صرف حرف [illegible] ۔ [illegible] ہے ۔

هُوَ خَلِيفَةٌ مُسَدَّدٌ بِفَهْمِ مَنْطِقِ الحَيَوَانِ وَسَيَرَى عَدْلَهُ فِي الإِنْسِ وَالجَانِ

(ترجمہ) وہ ایسے خلیفہ برحق ہو جانوروں کی گفتگو سمجھتے ہیں ان کا عدل جن اور انس سب میں دیکھا جائے گا

اور شعر بھی کہے ہیں

فَلَا تَعْدِلْ بِأَهْلِ البَيْتِ [illegible]

فَبُغْضُهُمْ مِنَ الإِنْسَانِ [illegible]

(ترجمہ) پس تم مخلوق کو اہل بیت [illegible]
پس اہلبیت علیہم السلام اہل شہادت ہیں (تمہارے نیک و بد اعمال کے گواہ ہیں) پس انکی عداوت حقیقی خسارہ ہے
اور ان کی محبت عبادت ہے ۔

ارباب تصوف و طریقت کے پیشوا عبدالکریم الیمانی نے امام قائم عجل اللہ فرجہ کے حالات ظہور میں اشعار کہے ہیں

فِي يُمْنِ أُمَّنْ يَكُونُ لِأَهْلِهَا إِلَى أَنْ تَرَى نُورَ الهُدَى بِهِ مُقْبِلًا

کیسے خوش نصیب ہونگے وہ لوگ جو اپنی آنکھوں سے [illegible]

بِمِيمِ مُحَمَّدٍ مِنْ نَسْلِ الْحُسَيْنِ [illegible]

وہ آنے والا حیدر کرار کی نسل سے ہے جو اہلبیت طاہرین سے ہیں ۔ وہ مجدد [illegible] ہے ۔

يُسَمَّى بِمَهْدِيٍّ مِنَ الحَقِّ ظَاهِرًا بِسُنَّةِ خَيْرِ الخَلْقِ يَحْكُمُ أَوَّلًا

ان کا اسم مبارک مہدی آخر [illegible] سنت خیر الخلق ہو [illegible] مطابق احکام نافذ کریں گے

شیخ عبدالرحمن [illegible]

وَيَنْتَصِرُ مِيْمُ الْمَجْدِ مِنْ آلِ اَحْمَدَ   وَيُظْهِرُ عَدْلَ اللّٰهِ فِي النَّاسِ اَوَّلَا

آل محمد سے بزرگی کا میم (امام مہدیؑ) ظاہر ہونگے اور دنیا میں لوگوں کے درمیان عدل الٰہی کو جاری کریں گے

كَمَا قَدْ رَوَيْنَا عَنْ عَلِيِّ الرِّضَا   وَفِي كَنْزِ عِلْمِ الْحَرْفِ اَضْحَى مُحَصَّلَا

جیساکہ امام علی الرضا علیہ السلام سے روایت پہنچی اور کنز علم الحرف میں تفصیل سے ذکر آتا ہے۔

وَيَخْرُجُ حَرْفُ الْمِيْمِ مِنْ بَعْدِ شَيْنِهِ   بِمَكَّةَ نَحْوَ الْبَيْتِ بِالنَّصْرِ قَدْ عَلَا

عالم میں برائیوں کے پھیل جانے کے بعد حرف میم (امام مہدیؑ) ظاہر ہونگے اُن کا ظہور مکہ میں خانہ کعبہ میں بنصرت خدا کیا ہوگا

فَهٰذَا هُوَ الْمَهْدِيُّ بِالْحَقِّ ظَاهِرٌ   سَيَاتِي مِنَ الرَّحْمٰنِ لِلْخَلْقِ مُرْسَلَا

پس یہ وہی مہدی ہیں جو حق کے ساتھ ظہور فرمائیں گے اور حق کو خدائے رحمٰن کی جانب سے لائیں گے۔

وَيَمْلَاُ كُلَّ الْاَرْضِ بِالْعَدْلِ رَحْمَةً   وَيَمْحُو ظَلَامَ الشِّرْكِ وَالْجَوْرِ اَوَّلَا

اور عدل وداد سے ساری زمین کو بھر دیں گے اور ظلم وجور وشرک کو دنیا سے بالکل مٹا دیں گے

وِلَايَتُهُ بِالْاَمْرِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ   خَلِيْفَةُ خَيْرِ الرُّسُلِ مِنْ عَالَمِ الْعُلَا

صدرالدین غزنوی اپنی کتاب مشاق موفی میں امام علیہ السلام کے لئے کہتے ہیں
وہ خداوند عالم کی جانب ولی امر ہیں ور خیر الرسل (رسول خدا) کے خلیفہ حکم خدا سے ہیں۔

يَقُوْمُ بِاَمْرِ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ ظَاهِرًا   عَلٰى رَغْمِ الشَّيَاطِيْنِ يَمْحَقُ الْكُفْرَا

خدا کے حکم کے ساتھ قائم آل محمد اس زمین میں ظاہر ہونگے شیطان کو ذلیل وخوار کرکے کفر وشرک کو مٹا دیں گے

يُؤَيِّدُ شَرْعَ الْمُصْطَفٰى وَهُوَ خَتْمُهُ   وَيَمْتَدُّ مِنْ مِيْمٍ بِاَحْكَامِهَا يَدَ سَارِيٍّ

شریعت مصطفوی جو آخری شریعت ہے اُسکی وہ تائید فرمائیں گے اور اسی میم نے (امام محمدؑ) کے احکام ساری دنیا میں پھیل جائیں گے۔

اگر ہم اس امام کے مفصل حالات لکھنا چاہیں تو کئی جلدیں ہو جائیں گی لیکن ہم کو آل محمد کے پورے حالات لکھنا منظور نہیں۔ بلکہ قانون عقل ونقل کے ذریعہ سے اُن حالات کی تشریح اور اُن پر محاکمہ کرنا مطلوب تھا جو خاندان رسالت پر گزرے۔

(مہدی قائم آل محمد) کا ظہور اسلام میں متفق علیہ مسئلہ ہے اسلئے ہم کو اسکی تشریح اور اُس پر محاکمہ کی ضرورت نہیں

چونکہ حدیث "مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً" علمائے شیعہ وسنی میں متفق علیہ ہے اسلئے تمام مسلمانوں میں ایک بھی صاحب عصر کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا ہمارا اعتقاد ہے کہ صاحب العصر والزمان (محمد المھدی) اپنے والد بزرگوار کی حیات میں شہر "سامرہ" میں پیدا ہوئے اور تھوڑی ہی مدت کے بعد جب آپ کے والد ماجد نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی نبوت وامامت ووصایت کے وارث وہی حضرت ہوئے۔ حکمت الٰہی کا اقتضاء یہ تھا کہ سلسلۂ امامت کو قیامت تک باقی رکھے کیونکہ رسولؐ کے بعد بارہ اماموں کا ہونا ضروری تھا۔ یہ عدد کمی زیادتی قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ "صحیح مسلم" میں روایت ہے کہ "خلفائی بعدی اثناعشر کلھم من بنی ہاشم" "میرے بعد بارہ خلیفہ اور سب بنی ہاشم سے ہونگے۔" اسی لئے امام زمانہ کو دشمنوں کے تسلط اور خیانت سے چھپے رہنے کا حکم دیا۔ آنحضرت نے دو طرح کی غیبت اختیار فرمائی۔ پہلی غیبت صغریٰ۔ اس زمانہ میں آپ اپنے دوستوں اور پیروؤں سے ربط رکھتے تھے۔ دوسری غیبت کبریٰ۔ یعنی ظہور تک آپ اسی عالم میں پوشیدہ رہیں گے لیکن اس زمانہ میں بھی بعض خاص الخاص دوستوں نے آنحضرت کی زیارت کی ہے۔ زمانہ حاضرہ میں آپ کے نقباء ہیں جب یہ پورے تین سو تیرہ ہو جائیں گے اُس وقت آپ ظاہر ہونگے۔ اور آپ کا ظہور مکہ میں رکن ومقام کے درمیان ہوگا۔ تمام عالم کو حق وحقیقت سے مالامال کردیں گے۔ جسطرح کہ اس وقت ظلم وفساد سے بھرا ہوا ہے۔ تمام دنیا کو حق کی جانب بلائیں گے اور مشرق ومغرب سے لبیک کی صدائیں آئیں گی سلیمانؑ کی انگوٹھی اور موسیٰؑ کا عصا آپ کے دست مبارک میں ہوگا۔ آپ مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہونگے رسولخداؐ کی رحلت کے بعد جو بدعتیں پھیلیں اُن سب کو آپ مٹا دیں گے۔ پھر کوفہ روانہ ہوکر مسجد کوفہ کی تعمیر فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اُتر کر آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور آپ اپنے نور ہدایت سے دنیا کو روشن ومنور فرمائیں گے۔

بیشک یہ مختصر توضیح کافی ہے اور ہم خدائے متعال سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو اُس قوم کیساتھ محشور کرے جسکو رسولخداؐ نے امیر المومنینؑ کے حوالہ فرمایا تھا۔

یَا عَلِیُّ أَعْجَبُ النَّاسِ إِیْمَانًا وَأَعْظَمُهُمْ یَقِیْنًا قَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ لَمْ یَلْحَقُوا النَّبِیَّ وَحُجِبَتْ عَنْهُمُ الْحُجَّةُ فَآمَنُوْا بِسَوَادٍ عَلٰی بَیَاضٍ أَیْ بِالْأَحَادِیْثِ

التی یکتب علی القرطاس "۔ یعنی اے علی ایمان ویقین کی سیست سے انہی کو بزرگ حاصل ہے۔ جو آخر زمانہ میں دنیا میں آئیں گے ۔ دلائل اور حجتیں اُن سے پوشیدہ ہونگی لیکن خدا کی توفیق اور ہمارے یادگار احادیث سے ایمان لائیں گے ۔

بیشک ایسی حالت میں جبکہ ہم ظہور قائم آل محمدؐ کے منتظر ہیں ۔ اس کتاب کو ختم کر کے انہی کے شرف ظہور کیلئے ناچیز ہدیہ امام کی خاک پائے مبارک کے لیئے پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہمارے ناقص اعمال اور کامل اخلاص امام کی پیشگاہ جلالت میں شرف قبول حاصل کریں گے ۔ فقط

زنگازوری قاضی بہلول بہجت

تبصرۂ مترجم فارسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ محمدؐ و آلہ الطاہرین

جبکہ ترجمہ کے بعد اس کتاب کی تجدید ہو رہی ہے اور اس کے مطالعہ کے وقت جو مطالب ہماری نظر میں آئے اور جس غرض سے اس مفکر مصلح نے یہ کتاب لکھی ہے ہم بھی محض خدمت جامعۂ اسلام اور وحدت فکر کی خاطر اسی مقصد کی تائید میں اپنے ناچیز تصوّرات پیش کرتے ہیں اور ہر قرآن رکھنے اور پڑھنے والے مسلمان کا بھی یہی فرض ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے امکانی کوشش کرے۔

حسب منشاء و ارشاد الٰہی اگر ہم قرآن میں تفکر و تدبر کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کا مقصد اصلی توحید حقیقی کی دعوت ہے اور بس یعنی۔ مبداء میں توحید۔ پرستش میں توحید۔ ہدف بلند نظری میں توحید۔ فکر میں توحید۔ غرض وحدت ہی وحدت ہو۔ چونکہ نفسانی خواہشات اور رغبتیں انسان کے دماغ کو پراگندہ کرتی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ یکجہت اور ہم آہنگ ہو کر صحیح معنی میں مقصد حیات کا پتہ لگائیں۔ اور حسب ارشاد خداوندی اس زمین کو ایک بڑا معبد قرار دیکر راستہ ہموار کرتے ہوئے سب ایک قافلہ کی صورت میں حق کی جانب روانہ ہوں۔ یہی وحدت حقیقی کا مقصد ہے۔ سورۂ انعام کی آیت (۱۶۰) "انّ الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیءٍ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون" (بیشک جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہر ایک ایک عقیدہ کا پابند ہو گیا۔ تم اُن کی روش اور عقائد سے بہت دور رہو اور کسی روش میں اُن کیساتھ شریک نہیں ہو۔ ان کا تعلق خدا سے ہے انھوں نے جو کچھ کیا وہی (خدا) اُن کو اس سے آگاہ کریگا)۔ سورہ "روم" کی آیہ (۲۱) ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون) (مشرکین سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے [illegible] ہر ایک گروہ ایک عقیدہ کا پیرو بن گیا۔ اور جسکو جو مل گیا اسی پر وہ خوش [illegible] قرآن کی تو [illegible] اختلاف کا باعث ہے"۔ جب قرآن تفریق کا باعث نہیں تو پھر مسلمانوں میں یہ اختلاف اور اس کا کیا باعث ہے کہنا پڑتا ہے کہ "ہر حق کا چھپ جانا یا اسکو چھپا دینا ہی اس پر تفرقہ کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہی اسکی علت ہے اور اس کے مخفی ہو جانے کا منشاء عام بے انصافی ہے یعنی عام طور پر حق کو اسکی اصلی جگہ سے ہٹا دینا یا بدل دینا۔ لہٰذا تاریخی واقعات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم آج بھی اس مسئلہ میں قضاوت کر سکتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ پیغمبر اکرم کے بعد حق اپنے محل و مقام

سے ہٹادیا گیا۔ ہم ایک دوسرے طریقہ سے اس بیان کو تمام کرتے ہیں

پیغمبر اسلام کے بعد جتنے فرقے وجود میں آئے ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلامی حقیقت ان میں ہے ہی، نہیں۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سب کے معتقدات بالکل قرآن کے موافق ہیں جبکہ دین میں ذرا سی لغزش بھی خطرناک ہے تو کیا شرط احتیاط یہ نہیں ہے کہ ہم اہلبیت سے احکام دین لیں جو ہر اعتبار سے سرچشمۂ دین سے قریب ہیں۔ واقعاً اگر ہم بنی اُمیّہ کے یا بنی عباس کے زمانہ میں ہوتے اور چاہتے کہ اُن کی تعلیم سے قریب ہوں اور قرآنی تربیت کے نمائندہ (امام) کو دیکھیں تو خلفاء کے درباریوں کی قربت یا عام جاہلوں سے معاشرت یا دربار کے شکم پرست اور خوشامدی فقہا کو دیکھ کر ممکن تھا کہ اسی کو اسلامی نمائش سمجھیں اور اسی حقیقت سے آشنا ہو جائیں۔ اگر سجاد۔ باقر۔ صادق۔ علیہم السلام یا دوسرے بزرگوں کی صحبت میں نہ پہنچتے تو کیا ہم یہ نہ کہتے کہ یہ قرآن خط و عبارت سے خارج نہیں ہے" مگر جس کتاب کا کوئی خارجی نمونہ نہ ہو وہ ہرگز قابل عمل نہیں ہے۔

بہرحال آج اسلام کے صاحبان علم بیدار ہو کر متوجہ ہو گئے ہیں کہ ذلّت کا یہ غُبار جو مسلمانوں کے چہروں پر بیٹھ گیا ہے اور جس کا نتیجہ باہمی تفریق ہے اور عام مسلمانوں کے اعصاب جو اس مذہبی کشمکش کی وجہ سے فرسودہ ہو گئے ہیں اور سینوں میں ایسی آگ سلگ رہی ہے کہ جسکی جلن اور شعلے سب کی زبان اور نوک قلم سے آشکارا ہو رہے ہیں۔ (جیسے اس کتاب کا مؤلف) اور اکثر لوگ وحدت اسلامی کی طرف بلاتے ہیں لیکن بہت کم اس راستہ سے واقف ہیں۔ اپنے معلومات کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح اس مصنف قاضی "بہلول بہجت" نے توجہ کی ہے اور اصل حقیقت تک پہنچ گئے ہیں سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ سب خانۂ نبوّت میں جمع ہو جائیں (یعنی ارشادات اہلبیت نبوت کے پیرو بن جائیں)

اگرچہ مسئلہ خلافت میں بحث کرنے کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ لیکن خاندان نبوت کی تربیت و تعلیمات کا زندہ کرنا اور اہلبیت کی معنوی شخصیت جو سب کے لئے نمونہ ہے اور اُن کی زبان سے حکومت اسلامی کے حالات و احکام سنکر قرآن میں تدبّر کرنا اسی پر حیات اسلامی کا انحصار ہے۔

امامت اور خلافت اسلام کے موضوع پر اس رسالہ میں بہت کچھ سیر حاصل گفتگو ہو چکی ہے لیکن ہم موجودہ زمانہ میں اجتماعی اور فلسفی بحث سے ثابت کریں گے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر کام اُسی شخص کو دینا چاہیئے جسمیں

اُس کام کے کرنے کی قابلیت ہو اور ہم مسلمانوں کی توجہ کے لئے اس کتاب (تاریخ آلِ محمدؐ) کے صفحہ و سطر کے حوالہ سے اُس پر نقد و تبصرہ کریں گے۔

صفحہ (۳) سطر (۲۱) پر قاضی تحریر فرماتے ہیں "وہ صدر اسلام میں خلافت کا مسئلہ اُس وقت اپنے حال طبعی اور مجرائے اصلی سے منحرف ہو گیا تھا۔ الے آخر"

خلافت کے حقیقی مرکز اور صحیح و اصلی راہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد اور قابلیت کے موافق کام کی تقسیم اور کام کرنے والے کی خصوصیت ملحوظ رکھی جائے۔ کیونکہ اجتماع کامل کے لئے شخصی رعایت ضروری ہے بلکہ اجتماع کامل کا معیار ہی یہ ہے کہ ہر ایک کی خواہش رغبت۔ توجہ۔ اور۔ صلاحیت کا اندازہ کر کے اُسی کے موافق اُس کی تربیت کے وسائل فراہم کئے جائیں تا کہ ہر شخص کی استعداد اُس کے فعل و عمل سے رُو بکار اُسکے اس تخصیص کے بعد ہر شخص کو اُس کے فطری رجحان کے موافق اُسی کام کی تربیت دیں جس کے قبول کرنے کی صلاحیت اُسمیں موجود ہے اور اس کے بعد اُسکو وہی کام سپرد کیا جائے جس کیلئے وہ تیار کیا گیا ہے۔ یہی تربیت نوع کا حقیقی مرکز اور صحیح راستہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ قدرتی طور پر ہر موجود کا یہی کمال ہے کہ اگر خارجی رکاوٹیں نہ ہوں تو وہ ہمیشہ اپنے طبعی راستہ پر برابر گامزن رہتا ہے۔ اور اجتماع کامل کی تعریف بھی یہی ہے کہ مثل زمین کے ہر اُس دانہ کو اُگاتی رہے جسمیں اُگنے کی صلاحیت ہو۔ جب ہر شخص کی استعداد درجہ کمال پر پہنچ جائے تو وہ بھی اس جماعت کا ایک رکن بنکر اُسکی مدد کرنے کے قابل ہو جائیگا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اجتماع کامل فراہم کرنے کے لئے ہر خصوصیت اور ہر پیشہ کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کر کے اُس کا لحاظ رکھنا چاہیئے تا کہ کوئی جزو چھوٹ نہ جائے۔ مثلاً تجارت۔ صنعت اور اُس کے اقسام جیسے دریا نوردی مشینوں کا چلانا۔ خیاطی۔ کفش دوزی سے لیکر سپاہی گری اور حکومت تک ہر ایک کی اہمیت کا اندازہ اُس کے اثر کی اہمیت سے کیا جا سکتا ہے اگرچہ حق سے متزلزل ہونا سب کو متزلزل کر دیتا ہے خصوصاً حکومت کہ جس کا منشا و مقصد تمام انسانوں کی سرپرستی۔ اُن کے روابط کی حفاظت تنظیم۔ اور قانون سازی ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ چاہیئے کہ خصوصیت کے ساتھ اُن افراد کا سب سے زیادہ پاس و لحاظ رکھا جائے جن کو اُن کے رجحان طبیعت کے موافق تعلیم و تربیت دیکر تیار کیا گیا ہے جس طرح اس کائنات کی حکیمانہ خلقت کی تنظیم ہے کہ عورت اور مرد دونوں کو پیدا ہونا چاہیئے۔ اور ہر موجود کا مقام ظہور خود اُس کا تخم فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ بعض جزئی اور محدود موقع پر بسبب مزاحمت کے اُسکی ترقی کے وسائل فراہم نہ ہو سکیں یا کچھ اور موانع

پیش آئیں۔ لیکن طبیعت خود اپنے اسباب فراہم کرکے اپنے کام سے باز نہیں رہتی۔ اسی طرح نظام اجتماعی میں ہر شغل اور ہر کام کے لئے اس کا وجود لازمی ہے کہ ایسے اسباب فراہم ہوں۔ اس کارگاہ آفرینش میں جو لوگ مثل تخم کے ہیں انہی کو فراہم کرنا چاہئے۔ اگر نظام اجتماعی نظام خلقت کے پہلو بہ پہلو رہے تو نظام خلقت ان افراد کو نظام اجتماعی کے لئے تربیت کرتا رہیگا۔

البتہ دین اسلام جو دین فطرت ہے اگر گہری نظر سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے نظام اجتماعی کا نقشہ اور اسکی تربیت نظام خلقت کے بالکل مطابق ہے۔ لہذا زندگی کے شعبۂ حکومت اور خلافت میں خاص توجہ ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ خصوصاً حکومت اسلامی کے لئے جو نہ صرف قوانین مدون کرنے اور مادی ضرورتوں کی فراہمی تک محدود ہے بلکہ لوگوں کے اخلاق و افکار کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاد تک پہنچانے کی بھی ذمہ دار ہے۔ لہذا نظام اجتماعی کو چاہئے کہ چند افراد کو اس ضمانت کے ساتھ پیش کرے جیسطرح پیغمبر اکرم نے مختلف مواقع پر مختلف الفاظ میں مختلف طریقوں سے ایک ہی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ "بطور نمونہ کے یہی ایک شخصیت تمہاری تربیت اور اصلاح کیلئے کافی اور یہی تمہارے عادات و خصائل کی اصلاح اور تم کو زیور اخلاق سے آراستہ کرکے تمہارے معاد تک پہنچادیگی۔

ہم خاندانی پیشہ ۔ عادات ۔ اطوار ۔ اخلاق کے موروثی اثر کے قانون سے اغماض نہیں کرسکتے جو خون کے ذریعہ سے اُس خاندان کے افراد میں منتقل ہوکر اُن میں اثر انداز ہوتا ہے لہذا پیغمبر اکرم کے اہلبیت اس اثر سے کسی طرح خارج نہیں ہوسکتے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ یہی خاندان تمام انوار کا مرکز تھا اور علاوہ صلاحیت کے یوں بھی اسی خاندان کے ارکان کو منتخب ہونا چاہیئے۔ اسلئے کہ جو اوصاف امام میں ہونا چاہیئے اُن اوصاف کے حامل کا پتہ یہی گھر دے رہا ہے۔ جب عوام حکومت حقہ کے لئے کسی شخص کے انتخاب کی صلاحیت ہی نہ رکھتے تو پیغمبر خاتم کی خلافت اور نیابت کیلئے وہ کسی کو کیسے منتخب کرسکتے ہیں کیونکہ عوام تو مصالح واقعی جانتے ہی نہیں اور فنی معلومات سے ناواقف۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ ایک شخص جہازرانی کے لئے عوام منتخب کریں۔ اگر اس انتخاب میں غلطی ہو اور یقیناً ہوگی تو صرف انہی چند اشخاص کی جان و مال کا نقصان ہوگا جو اُس جہاز میں سوار تھے۔ برخلاف ایسی ہستی کا انتخاب جو خدا تک پہنچانے کی ذمہ دار ہو اور اس کا انتخاب عوام کے ہاتھ میں دیدیا جائے جو کسی طرح کا فرق نہیں کرسکتے تو اس غلطی سے ایک گروہ ہی نہیں بلکہ بے شمار انسان قعر ہلاکت میں گر کے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ صدر اسلام میں یا اس کے بعد عام طور پر خلافت محقق ہی نہیں ہوئی اور نہ کسی جمہوری یا ڈیموکراسی حکومت نے اس خلافت کو قبول کیا۔ فقط مسلمانوں نے یہ چاہا کہ گزرے ہوئے واقعات کو ایک شکل و صورت دیکر قانون سے مطابق کرلیں یہ حکومت جمہوری یا ڈیموکراسی جس پر آج تمام دنیا نازاں ہے ۔ یہ چیخ پکار محض اسلئے کہ ہم اکثریت کو اقلیت پر ترجیح دیتے ہیں ۔ ان حکومتوں کی کارگزاریاں فلاسفۂ یونان خصوصاً سقراط اور افلاطون کے آثار کا پتہ دے رہی ہیں۔ وہ ڈیموکراسی حکومت کو استبدادی حکومت سے بلند تر اور دوسرے قسم کی حکومتوں سے پست تر سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو "جمہوریت افلاطون")

خلاصہ یہ کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس شعبۂ زندگی میں اسلام کا کوئی نظریہ ہی نہ تھا اور اگر تھا اور ضرور تھا تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ "ڈیموکراسی" حکومت پیش نظر تھی! اسلئے کہ بقول افلاطون کے کہ "یہ طریقۂ حکومت دوسری طرح کی حکومتوں سے پست تر تھا"۔ پہلے یہ کہ دنیا میں آج تک صحیح معنی میں "ڈیموکراسی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ اگر خلیفہ ۔ بادشاہ ۔ یا رئیس جمہوریہ کا انتخاب عوام کے حوالہ کر دیا جائے تو اس منتخب شدہ کو اہلیت اور قابلیت سے کچھ تعلق ہی نہ ہوگا اسلئے کہ عوام سیاست کے رموز اور جہانداری کی قابلیت کیا جانیں ۔ اور جب وہ خود ناواقف ہوں تو ایسے شخص کا انتخاب کیونکر کریں گے ۔ تیسرے یہ کہ اسلام میں ایسی جمہوریت کا پتہ نہیں ملتا ۔ چوتھے یہ کہ اگر بر فرض ہے بھی تو پہلی خلافت میں ۔ دوسری خلافت وصایت سے ہوئی اور تیسری خلافت چھ منتخب اشخاص کی رائے سے ۔ بہرحال ہر وقت ایک جداگانہ رنگ تھا ۔ پانچویں ۔ عوام کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ ایسی ہستی سے تعارف کرایا جائے جو اغراض ذاتی و خواہشات خصوصی سے مصئون ہو ۔ اگر ایسا شخص کہ جسمیں یہ خصوصیات پائے جائیں پیغمبر اکرم کے ذریعہ سے یا بغیر ذریعہ کے "جسمیں یہ خصوصیات موجود ہوں" پیش ہو تو بیشک وہی تمام مسلمانوں کے امور معاش و معاد کو بہترین طریقہ سے فراہم کرسکتا ہے ۔

7 صفحہ (۴۲) سطر (۲) قاضی کہتے ہیں کہ "ابو ھریرہ ہمیشہ اس ظالم کے دسترخوان پر بیٹھ کر لذیذ اور شاہانہ غذاؤں سے اپنا پیٹ بھرتے تھے" تا آخر ص

ابو ھریرہ بڑی بلا تھے انہوں نے خود کو شجرۂ اسلام کی جڑ اور مغز تک پہنچا کر اس درخت کی شاخوں کو خشک اور پتوں کو زرد کرکے بار آور ہونے سے روکا ۔ یہ وہی بزرگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے احادیث سے معاویہ کی بداعمالیوں کو خصوصیت کیساتھ

یا سہل انگاری سے قانونی صورت دیکر حق و صداقت کے پیرایہ میں ظاہر کیا۔ محض اس غرض سے کہ اس پیرانہ سالی میں معاویہ کے دسترخوان پر بیٹھکر اپنا پیٹ بھریں۔

افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ایسا شخص عام مسلمانوں کے پاس ایک بلند مقام کا مالک بنا ہوا ہے یعنی احادیث رسولؐ کا راوی اور ان احادیث کو مسلمانوں تک پہنچانے کا ذریعہ یہی ہیں جو نہایت خطرناک مقام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کتب صحاح وغیرہ میں کثرت سے ابوہریرہ کی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ لیکن خاندان نبوّت کے وہ افراد جنکی پرورش نور محمدؐ کے پرتو میں ہوئی ابوہریرہ کی روایتوں کے مقابلہ میں اُن کی روایتوں کی مناسبت ہزار اور ایک کی ہے۔

اگر ہم عہد پیغمبر اکرمؐ کی اُن محفلوں کو دیکھیں جو انوار وحی و نبوت کی تابش کا محل تھیں تو ابوہریرہ سے خالی نظر آتی ہیں اور اُن کا وقت قہوہ خانوں میں گزرتا تھا اور محضر رسول میں ان کا وجود دوسروں کی ناگواری کا باعث ہوتا تھا۔ جیسا کہ خود آنحضرت اُن سے فرماتے تھے "زرنی غبا تزدد حبا"

(شعر) نیست غبا درمیان عاشقان   سخت مستسقی است جان عاشقاں

جو شخص اُس محضر نورانی سے نکلتا تھا کم و بیش نور وحی و خلق محمدی کی کوئی علامت ضرور اُس سے ظاہر ہوتی تھی۔ اور ابوہریرہ نے جو اثر لیا کتب صحاح کی اُن روایتوں سے ثابت ہے جسمیں ترکاری بھاجی اور شکم پروری کے موضوع انھوں نے بیان کئے ہیں۔

جلد دوم صفحہ (٢٨) "سیرۃ احمدیؐ" زینی دہلان "پیغمبر اکرم کا دوسری زبانوں میں تکلم" کے زیر عنوان۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ابن ماجہ نے ابوہریرہ کی احادیث کے متعلق لکھا ہے ابوہریرہ کہتے ہیں کہ "پیغمبر اکرمؐ اول وقت نماز کے لئے تشریف لائے۔ میں نے بھی حاضر ہوکر حضرت کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس کے بعد آنحضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور زبان فارسی میں فرمایا۔ "شکم درد"۔ میں نے عرض کیا "جی ہاں یا رسول اللہ"۔ ارشاد ہوا اٹھو نماز پڑھو نماز میں شفا ہوتی ہے

اس جملہ کی تفسیر میں "زینی دہلان" کہتے ہیں کہ شکم کے "ش" کو زیر "ک" پہ زبر اور "م" ساکن ہے جسکو عربی میں بطن کہتے ہیں اور درد تو دو دال مہملہ کے درمیان میں "ر" ہے عربی میں جسکو "وجع" کہتے ہیں چونکہ ایرانی مضاف الیہ کو مضاف پر مقدم رکھتے ہیں۔ اسلئے اس کے معنی عربی میں "وجع البطن" ہوئے۔ اور بطور استفہام کے یوں کہا جائیگا۔ "ابك وجع لبطن" کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے۔ ابوہریرہ نے کہا "جی ہاں" حضرت نے فرمایا اٹھو نماز پڑھو کیونکہ نماز میں شفا ہے۔ البتہ ابوہریرہ

جیسے شخص کے لئے جس نے پیغمبر اکرم کے سامنے پرخوری کی وجہ سے پیٹ کے درد کی شکایت کی ہو۔ یہی ورزش اُن کے معدہ کی ثقالت کو دور کرنے کے لیئے بہترین علاج تھی لیکن "[illegible] حرج المسلمین"۔

بعضوں نے اس حدیث کو بزیادتی "دم" "دُردم" نقل کیا ہے۔ زبان فارسی میں "دم" ضمیر متکلم ہے۔ علامہ ملاعلی قاری" اپنی کتاب "شفا" میں اسکی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ "ابو ہریرہ سے اس طرح خطاب کرنے کی کوئی وجہ سوائے اس کے نہیں معلوم ہوتی کہ گفتگو میں مزاح اور شوخی منظور تھی یعنی جس طرح تم میں سے کوئی شخص جب کسی درد کی شکایت کرتا ہے تو تم بھی مذاقاً وہی درد بتلاتے ہو جس کا مقصد باہمی دل لگی اور اظہار محبت ہوتا ہے۔" [illegible] واضح کرنے کے لیئے یہ واقعہ لکھا ہے

یادگار محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صفحہ ۱۰۷ سطر (۱۹) قاضی کہتے ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا [illegible] زادی تھیں۔ برگزیدۂ خدا بھی تھیں اور انکی ذاتی شخصیت اور معنوی مقامات کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ "فاطمہ" کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور سب کی نظر میں انکی تاریخ نہایت اہم ہو۔

دُنیا کی بڑی بڑی شہزادیوں میں کونسی معنوی خصوصیت اور آسمانی طاقت تھی کہ جن کے لئے بڑی بڑی کتابوں اور رسالوں میں تعریفیں لکھکر اُن کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ ہم اسلام کی محترم شہزادی کو اس زہد و تقویٰ کے ساتھ محراب عبادت میں دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ امت مرحومہ کی خیر خواہی اُن کی نیکی و بدی کا تصوّر اور اُنکی عاقبت کی فکر میں شب و روز بسر کرتی تھیں جیسا کہ مسلمانوں کی معتبر کتابوں میں اُن کے ملفوظات سے ثابت ہو رہا ہے جس کا مقابلہ دنیا کے بڑے بڑے مصلحین نہیں کر سکتے۔

مرض الموت کی شدّت میں آخر وقت جو خطبہ اُس معصومہ نے ارشاد فرمایا ہے دنیا کے بڑے بڑے علماء و فصحا میں ہم کو ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے ایسے نازک وقت میں اس طرح کی تقریر کی ہو۔

جب اس شہزادی کی مزاج پُرسی کے لئے مدینہ کی عورتیں حاضر ہوئیں اور پوچھا "کیف اصبحت یا بنت رسول اللہ" (اے رسول کی بیٹی آپ نے کیسے صبح کی) آپ نے نہایت اطمینان کیساتھ فرمایا۔ "پہلے مجھے آہستہ اُٹھا کر تکیہ سے بٹھا دو"۔ اُن عورتوں نے آپ کا مزاج پوچھا تھا۔ آپ نے اُن کا کچھ جواب ہی نہ دیا بلکہ اپنی رہی سہی قوت و حواس کو اسلئے سنبھالا کہ گزرے ہوئے واقعات پر ایک گہری نظر ڈالیں اور اُن کے اعمال و افعال کا ذکر کر کے آیندہ آنے والوں پر اُن کا

جو اثر ہوگا اسکو ثابت کریں اور جس انتخاب کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کے اثر و نتائج کو نہایت خوبی کے ساتھ اُن عورتوں کو یاد دلایا جو آپکی مزاج پرسی کے لئے آئیں تھیں ۔

ہم استاد دانشمند آقائی ضمیری کی یادداشتوں کا خلاصہ اس خطبہ کے متعلق قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ہم ملکۂ اسلام کا ۔ یادگار خطبہ چار حصّوں میں تقسیم کر کے اسلام کے قائدین و مصلحین کے حوالہ کرتے ہیں ۔ اور خدا سے توفیق طلب کرتے ہیں کہ "**محمد کی یادگار**" کے عنوان سے اس خطبہ کی شرح اور تشہیر ہو۔

یہ شاہزادی خود نور حق کا ایک پرتو ۔ بیت نبوت کی ایک مخدرہ ۔ اور دُنیا کی تمام عورتوں میں ایک منتخب بی بی تھیں

<u>پہلا حصہ</u> ۔ علیہا السلام مردوں کی شکایات اور اُن سے ناراضی کے وجوہ اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ "میں ایک عورت ہوں۔ میرا اور ہر ضعیف کا حق مردوں کو چاہیئے کہ محفوظ رکھیں جسطرح کہ ایک سمجھدار انسان بری ۔ بدمزہ ۔ اور ۔ بدبو غذا سے نفور ہوتا ہے اُسی طرح میں تمہارے مردوں کی پناہ سے نفور ہوں ۔ جب میں اس معاملہ پر گہری نظر ڈالتی ہوں اور جسقدر گہرائی میں جاتی ہوں اُسی قدر زخم گہرا نظر آتا ہے اور میری پریشانی بڑھتی ہے ۔ گو اس وقت بظاہر یہ زخم صرف میری عظمت پر لگا ہے لیکن اگر تم حقیقت تک رسائی کروگی تو معلوم ہوگا ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے تمام عورتوں کے حقوق متاثر ہوئے ہیں اور ہونگے اور اس ناروا ظلم اور زیادتی کا منشا تمہارے مردوں کی باطنی خیانت ہے ۔ تمہارے شوہروں نے تمہارے پیغمبر کی بیٹی کی توہین کی اور تم خاموش بیٹھی رہیں مجھ پر جبر و تشدد کیا گیا اور تم چپ سادھے رہیں

اس خصوص میں کسی ملت کی بدبختی کسی گروہ اور جماعت کے ایک حصّہ سے متعلق نہیں ہے اور نہ ثروت و فلاکت سے بلکہ اُس ملت کے (رجال) مردوں سے اُس کا تعلق ہے ان کو چاہیئے کہ ضعفاء اور غرباء کے اندوختہ اور عرض و ناموس ملت کی حفاظت کریں ۔ سب سے بڑا قصور ملت کے مردوں کا ہے "ہاں مردوں کا" وہ عہد و پیمان کے سست ہیں ۔ ہاتھوں میں تلوار تو ہے لیکن بازو سست ۔ ان کے مزاج کا تلوّن بچوں کا کھیل ۔ خودنمائی کا یہ حال کہ صبح کو ایک ارادہ اور شام کو ایک ۔ لوگوں کو بے پروائی سے چھوڑ دیتے ہیں کہ نیند کے متوالے خواب غفلت میں پڑے رہیں اور دشمن اُن کے محلوں کی بنیادوں کو کھود کر تباہ و برباد کردیں ۔ رائے میں بسی پریشان اور گرفتار کہ ہر وقت ایک نئی تجویز ۔ خودغرضی کا یہ عالم کہ ہوا و ہوس نفسانی کی خاطر ہمیشہ ایکدوسرے سے دست و گریباں ۔ مختصر یہ کہ ان کے ارادے بودے ہیں ۔ ان کے پاس تیز نوکدار نیزے تو ہیں مگر دشمن کے سینوں کو چیر نہیں سکتے ۔ اور دشمن نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ ان کا امتحان کرے کہ یہ سوئے ہوئے ہیں

یا جاگ رہے ہیں لیکن وہ کسی آواز پر بھی ہوشیار نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ بدخواہ دشمن کی جرأت اتنی بڑھ گئی کہ اب اسکو دفع کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس وقت میرے اور میرے خاندانوں کے مکانوں کے ساتھ جو امت اسلامیہ کے سنگ بنیاد ہیں اس طرح بے احترامی کی گئی۔ کل یہی کلنگ و کدال تمام امت اسلامیہ کے مکانوں کو منہدم کرنے کے لئے استعمال ہونگے۔ اور آج میرے گھر کو ڈھانے کے لئے جو آلات استعمال ہوئے ہیں وہی سب گھروں کے لئے کام میں لائے جائیں گے

میں نے جب گہری نظر ڈالی تو تمہارے مردوں میں یہ چند برائیاں مجھے نظر آئیں۔

(۱)۔ ان میں عمل کی قوت مطلق نہیں ہے۔ (۲)۔ ابتدائی کوشش بہت زوردار اور آخر میں لہو لعب۔ (۳)۔ دشمن کی جان لینے والی نیزہ کی انی کو خود اپنے ہاتھوں سے ناقص کر دیتے ہیں۔ (۴)۔ دشمن اُن کے گھروں کی بنیادوں کو کھودتا ہے مگر وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے۔ (۵)۔ اُن کی رائے میں اضطراب (۶) ہوا و ہوس میں گرفتار ہو کر بار بار ٹھوکریں کھاتے ہیں اور وہ توجہ نہیں کرتے۔ ان میں کی ہر ایک برائی دوسری برائی سے بدتر ہے اور تمہارے مردوں میں یہ سب برائیاں [illegible] ہیں پس میں اور دوسرے کمزور ان کے ساتھ گزران کی کس طرح اُمید کریں اسلئے مجبور ہو کر میں نے پابندی اٹھا لی۔ اور اُن کے منھ میں ننگ کی باگ ڈور اور گلے میں عار کا طوق ڈالکر چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ان پر اس ننگ و عار کا [illegible] حملہ آور ہوگا یا اُن کی حالت اُس شکاری جانور کی ہوگی کہ جس کے کان۔ ناک۔ اور پاؤں سے خون بہہ رہا ہے [illegible] کوئی وارث ہی نہیں۔ اور اس عالم میں جب وہ حیوان کسی کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو اُسکو ذبح کر کے کھا لیتے ہیں اور اُس کے مالک کہیں اُس کا پتہ بھی نہیں ملتا۔

(اے بی بیو) اس ستم پیشہ قوم کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تاکہ وہ اس کا مزہ چکھے جسکی وہ سزاوار ہے۔ وہ ظالم کہ جو دوسروں کے حقوق غصب کرنے کے لئے ظلم و ستم روا رکھتے ہیں اور حق و صداقت کی مدد نہیں کرتے اور حق کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے کئے کی سزا ضرور پائیں گے۔

(خطبہ کا دوسرا حصہ) اس حصہ میں خلافت اسلامیہ کی جانب توجہ دلائی ہے جو اُمت اسلامیہ کے بلند مسائل سے متعلق ہے۔ اور اُس کے تمام حقوق کو بتلاتے ہوئے فرماتی ہیں دو شخصی حیثیت اور پیغمبر اکرم کی نسبت سے قطع نظر کرتے ہوئے جن امور کا انحصار شخصی قابلیت پر ہونا چاہئیے وہ سب ابو الحسن علی ابن ابی طالب علیہم السلام میں پائے جاتے ہیں۔

باوجود اس کے رُوگردانی کی گئی۔ دراںحالیکہ ایک گروہ پر حکومت کرنے کے لئے انہی چار چیزوں کی ضرورت ہے

۱۔ خانوادہ نبوّت کی ہر فرد کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مضبوط دیوار کا مستحکم پایا یا ایک دیگ جو ہمیشہ کے لئے ایک مضبوط چولھے پر رکھی جاتی ہے۔ یا جہاز کا سنگین لنگر جو سخت سے سخت تموّج میں بھی جہاز کو اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں دیتا۔ خانہ رسالت کے استحکام ایسے ہیں جیسے کہ ایک پہاڑ جسکو باد و باران کا شدید ترین طوفان بھی اسکی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔

۲۔ خاندان نبوت کی بنیاد اور اساس نہایت گہری اور مستحکم ہے

۳۔ اس خاندان کو حامل وحی (جبرئیل امین) کے ذریعہ سے خدائی مشورہ ملتا ہے اس لئے یہ لغزش سے محفوظ ہیں

۴۔ افراد خاندان نبوّت ہر طرح سے خصوصیت رکھتے ہیں اور دین و دُنیا کے معاملات میں ان کی ہستیاں آزمائی ہوئی ہیں لیکن تم نے ان سب خصوصیات کو بھلا دیا اور خلافت کو اُسکی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیا۔

۱۔ کیا تم کو ابوالحسن سے کوئی رنجش تھی۔ کیا ان کی وہ بے دردانہ شمشیر زنی کہ جس سے دشمنوں کے جگر دہل گئے تھے۔

۲۔ کیا ان کی وہ سعی و کوشش کہ جس زمین پر قدم رکھا حق کی داد دیکر باطل کا گھر ویران کر دیا

۳۔ کیا ان کی وہ تند نظر کہ بداندیش کے لئے اُنکی کارزار کا نقشہ اب بھی دُنیا میں باقی ہے

۴۔ کیا جھنجلاہٹ کے ساتھ اُن کے وہ شیرانہ حملے" ہاں ایسی مقدس جھنجلاہٹ کہ جسکی پیشانی پر فتح و نصرت کا ستارہ چمک رہا تھا" کرتے ہوئے حق کی راہ میں جنگ کرتے رہے اپنی اخلاقی قوت و قدرت کو اپنے مصمم ارادوں سے ظاہر کرتے ہوئے جانفشانی کرتے رہے اور حق کے مقابلہ میں اپنے۔ پرائے کا مطلق خیال نہ کیا مگر تم نے بجائے قدرتی احساس کی تحریک کے اُن سے رنج و آزردگی کا اظہار کیا (خلاصہ یہ ان حضرت میں رائے کی تکمیل اسکی قوت اور علم و کردار کی درستی کو ابتدا سے سرحد عصمت تک۔ اور افکار و قدرت کو جراءت کیساتھ فداکاری کی آخری حد تک [illegible] ظاہر فرما دیا۔ خصوصاً زعیم اول اسلام (پیغمبر اکرمؐ) میں یہ تمام صفات ثابت کرتے ہوئے ہر زعیم کی پہچان انہی صفات [illegible] مسلمانوں کے لئے صحیح راستہ کھول دیا)

[illegible] جن کی قیادت سے امت کو کافی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

[illegible] معاہدہ سے عاجز اور اُن کی خوشحالی کے اسباب فراہم کرنے سے [illegible] اور [illegible] کیونکہ اس نکیل سے انکی ناک زخمی ہو گئی تھی اہلبیت نے [illegible] ایک قافلہ سالار کے اپنی اُمت کی راہنمائی فرمائی اور اس

قافلہ کے راکب اور مرکب دونوں کو پہلو بہ پہلو ہر پستی و بلندی کو طے کرا رہا تھا تاکہ ان کو منزلِ مقصود پر پہنچا دے اور یہ سیر و سیراب قافلہ نہایت وجد و سرور کے ساتھ اپنے منازل طے کر رہا تھا۔ (خلاصہ) بیشک "عطر وہ ہے جو خود بو دے"۔ صاحب قوت و قدرت زعیم کے لئے اس کا ذاتی علم اور حوصلہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ اُس کے برکات کا دوسروں پر اثر پڑنا بھی اسکی قابلیت اور صلاحیت کی نشانی ہے زعیم کو چاہیئے کہ اپنے حدامکان تک محنت کش اور صاحب ثروت دونوں میں باہمی الفت پیدا کرکے دونوں کو آگے بڑھائے۔ اور اس راستہ پر لے چلے جسکی نہریں لبالب اور وادی سرسبز و شاداب ہو جو اس طرح کام انجام دے وہی امت کا بہترین زعیم ہوگا۔

اور خود زعیم کو چاہیئے کہ تاجِ تقویٰ سر پر رکھے ہوئے بغیر کسی زر و زیور کی آرائش سے" بیشک جو چیز قیمتی ہو زعیم کو چاہیئے کہ اُس سے اپنی جسم کو نہ سنوارے" باز رہے۔ اور مالِ دنیا سے اتنا ہی اپنے ہمراہ لے کہ جس قدر اسکی اور اُس کے قافلہ کا زندگی اور بقائے نفس کے لئے کافی ہو یہی جھوٹے اور سچے اور زاہد و طمّاع زعیم کی پہچان ہے۔

ہاں واللہ۔ بیشک خدا کی قسم یہاں اور اسی مقام پر جھوٹے اور سچے میں فرق نظر آتا ہے اور یہی مرد اور نامرد کا اندازہ کرنے کا موقع ہے کہ حکومت اُس کے حوالہ کرکے اُسکی صلاحیتوں کا اندازہ کیا جائے

(چوتھا حصہ) صورتِ اوّل کے برعکس بغیر زعیم کے۔ یا زعیم دستیاب نہ ہونے کی حالت میں یا قابل کی جگہ نااہل زعیم کو بٹھا کر اُسکی پیروی کرنے میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہونگی۔ اُن عورتوں کو متوجہ کرکے بیدار فرما رہی ہیں۔

" اُن لوگوں کی ناک زمین پر رگڑی جائے گی جنہوں نے مرغ کے بازوؤں کو باندھکر اُسکی دم اور باریک پروں کو اُڑنے کے لئے چھوڑ دیا۔ یا قوی ہیکل گھوڑے کی پیٹ کے بجائے اُسکی دم سے وزنی سامان باندھ دیا۔ درآنحالیکہ ایک گاڑی چاہے وہ خالی ہی کیوں نہ ہو اگر ایک قوی ہیکل گھوڑے کی دم سے باندھ دیجائے تو پستی اور بلندی۔ اور پیچ در پیچ راستہ کو طے کرنے میں رسیاں کھلکر سامان سب بکھر جائے گا۔ گھوڑے کی دُم کے بال اُکھڑ جائیں گے۔

ہاں اے پست خیال آمتیوآؤ اور اپنی نکبتوں کی ابتدا اور انتہا دیکھو۔ تم گمان کرتے ہو کہ تم نے اچھا کام کیا۔ ہاں تمہارا یہی گمان ہے۔ اے سننے والو آؤ اور کان دہر کر سنو کہ یہ قصہ قابل سننے کے ہے۔ تم تعجب کروگے کہ داستان نئی نہیں ہے لیکن جب تک زندہ رہوگے اُس کا لطف اٹھاؤگے اور زمانہ تم کو تعجب خیز حالات دکھاتا رہیگا۔

کس سند پر انھوں نے بھروسہ کیا اور کونسی دستاویز ان کے ہاتھ لگی کہ بغیر سوچے بچار کے مرغ کی دم یا اُسکے

باریک بالوں کو یا گھوڑے کی پیٹ کی بجائے اُسکی دم سے وزنی سامان باندھ دیا۔ اس بدعملی سے اُن کی نکبت شروع ہوئی۔ اب ان کو چھوڑ دو انھوں نے جو بیج بویا وہی ثمر پائیں گے۔

ہاں تمہارے خدا کی حیات کی قسم۔ جب فاسد نطفہ سے ناقہ حاملہ ہو تو بچہ کے پیدا ہونے کا انتظار کرو۔ اُس کے بعد اُس ناقہ کے تھنوں سے خون تازہ دوہو اور زہر قاتل چکھو۔ اپنی مواقع سے بیہودہ لوگ نقصان اُٹھاتے ہیں اور ان کے بعد آنے والے ان کی بدکاریوں کے نتائج کو دیکھیں گے اور سمجھیں گے۔ ابھی سے تم سمجھ گئے کہ تمہارے خزانے ناچیز ہیں اور تمہاری کھیتی لُٹ گئی ہے"

(خلاصہ) اہل مدینہ کے لئے یہ خونین زمانہ "عام الحرہ سنہ ۶۲ ہجری کا تھا جبکہ بسر ابن ابی ارطاۃ نے اہل مدینہ کو تباہ و تاراج کر دیا۔ گو اہل مدینہ نے اس حادثہ کو اُس خلافت سے مرتبط نہیں سمجھا جو اپنی اصلی جگہ سے ہٹا دی گئی تھی لیکن یہ واقعہ ہولناک اور وحشت دلانے والا ہے کہ اس کا پتہ لگانا اور اسباب معلوم کرنا ضروری ہے چاہے وہ اسباب کتنے ہی دور کیوں نہ معلوم ہوں

عام طریقہ کے موافق جس طرح تحریر ختم کرنے کے قبل چند جملے لکھکر خط ختم کرتے ہیں آپنے بھی آخر کے یہ چند جملے ارشاد فرمائے "ایسا نہ ہو۔ تم یہ کہو کہ" جب یہ خطرہ خود اہلبیت دیکھ رہے تھے تو وہ کیوں خاموش رہی اور امت کو بیدار کرنے کی کوشش کیوں نہ کی" ہم نے سکوت نہیں کیا بلکہ جس قدر ممکن اور ضروری تھا ہم نے اسکی تلاش جاری رکھی لیکن ممکن نہ تھا کہ تم بلانصیبوں پر اس سے زیادہ تشدد کیا جائے جسمیں تم خود اپنے ہاتھوں سے گرفتار ہو گئے ہو اور ہم تم پر اس کا کیا الزام رکھیں کہ خود تم نے ہم سے بے توجہی اور دوری اختیار کی"

(خلاصہ) بیشک ایک امت کی بدبختی اور اسکی اصلاح کے اتنے تدابیر بتلانا کسی اور سے ممکن نہ تھا۔ نہ کسی مہذب سے کسی حقوق کے ماہر سے نہ زعیم سیاسی سے۔ مگر سب سے زیادہ زعیم سیاسی و روحی وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جگر کا ایک ٹکڑا "فاطمہ" شائد "فاطمۃ بضعۃ منی" کا منشاء و مقصد یہی ہو کہ امت کی اصلاح اور اسکی درستی کے لئے فاطمہؑ کا ایک وجود ہی وہ ایک غیر معمولی عالمہ ہی نہ تھیں بلکہ نصف نبوت کی حصہ دار بھی تھیں

میں نے دنیا کی شہزادیوں اور حکمراں عورتوں میں کسی ایک کو بھی ایسا نہ پایا جو اپنی امت (رعایا) کی اصلاح و فلاح کے لئے اس قدر فکر مند ہوئی ہو۔ اور دنیا کی ایسی بڑی شاہزادیوں کی کسی نے ایسی توہین کی ہو بوڑھا ہو کہ جوان اُس زمانہ کا خلیفہ ہو یا اُس زمانہ کا خسرو"۔

یہ خطبہ "قلن کیف اصبحت عن لیلتك یا بنۃ رسول اللہ قالت اصبحت واللہ عائفۃ لدنیاکم

قالیۃ لرجالکم" سے شروع ہوتا ہے۔ اور" الزمکموھا وانتم لھا کارھون" پر ختم ہے۔

صفحہ (۱۱۵) سطر (۸) پر قاضی نے لکھا ہے کہ" خلافت اور امامت میں بہت بڑا فرق ہے۔ امامت اور خلافت کے معانی کا فرق۔ لغت۔ آیات قرآن اور احادیث سے ہم نے معلوم کیا جسکی بنیاد قرآن ہے اور اسلام اور ان مطالب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو اسلام کے بعد ظاہر ہوئے جو دین سے بے خبر اور اہل غرض کہتے ہیں

لغت میں لفظ" امام" "ام" سے مشتق ہے یعنی قصد و ارادہ کیا۔ ماں کو اس لئے ام کہتے ہیں کہ وہی اپنی اولاد کی مقصود ہے۔ اور بچے اُسی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اُسی کے اطراف جمع ہوتے ہیں۔ اور ایسی جماعت کو بھی" امت" کہتے ہیں۔ جو کسی ایک مقصد کی پیش رفت کے لئے جمع ہو ایسی ہستی جو عقل و نظر و اخلاق و اعمال و افعال میں کامل ہو اُسی کو" امام" کہیں گے۔ کیونکہ وہ دوسروں کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے اور ہر شخص کی نظر اُسی پر پڑتی ہے۔ قرآن مجید میں لفظ" امام" حضرت ابراہیم کے لئے آیا ہے۔" واذابتلی ابراھیم ربّہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلك للناس اماماً قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین" (جب ابراہیم کو اُن کے رب نے کلمات سے مبتلا کیا اور انھوں نے ان کلمات کو تمام کیا تو اُن کے رب نے کہا" میں نے تم کو انسانوں کے لئے امام بنایا ہے" انھوں نے کہا" میری ذریت سے" ارشاد ہوا۔ ہمارا یہ عہد امامت ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وہ شخص ہوتا ہے جو تمام کمالات یا کمالات الہٰی تک رسائی رکھتا ہو اور اسکی یہ رسائی خدائی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے ہوتی ہے نہ کہ اکتسابی۔ اور یہ امامت خدا کی عطا کی ہوئی ہوگی نہ کہ انسانوں کی بنائی ہوئی۔ اور امام خود اپنے اور دوسرے کے نفس پر ظلم کرنے سے بری ہوگا۔

امامت کی حقیقت نبوت سے بالکل جدا ہے۔ نبی وہ ہے کہ جو احکام و وظائف خدا کی جانب سے اُسکو ملیں ان کو مخلوق تک پہنچا دے۔ گو ہر نبی اپنی امت کا پیشوا ہونے کی وجہ سے امام بھی ہوتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ امامت ایک امر معنوی ہے کہ امام خود کمالات روحی و اخلاقی سے آراستہ ہو جو انسانیت کی میزان ہے۔ اور دوسروں کی توجہ کا بھی مرکز ہو کیونکہ امام ہی منزل مقصود تک پہنچاتا ہے

اس مقصد کو ہم کتاب" عنصر شجاعت" کے عنوان (عقیدہ و شجاعت) سے نقل کرتے ہیں۔

"وہ جس طرح کہ ناخدا کشتی کے مسافروں کا قبلہ توجہ ہوتا ہے اور ناخدا کا قبلہ توجہ" قطب نما"۔ اور ان دو نوں کی

معقول حقیقی و سمت،، (جس طرح کشتی کو لیجانا ہے) اسی طرح امام کا تعلق تمام خلائق اور ان کے مقصد خلقت سے ہے۔ میری نظر میں "امام کے معنی سوائے اس کے نہیں ہیں کہ "مقصد حقیقی کا پہچاننے والا اور اس مقصد کی اہمیت پر متوجہ کرنے والا"۔ ہم اسی کو امام کہیں گے"۔

امام تابع مشیت الٰہی ہوتا ہے۔ اگر حکم الٰہی ہو تو تلوار اٹھائے اور اگر مصلحت مقتضی نہ ہو تو بحکم الٰہی خاموش رہے۔ چنانچہ پیغمبر رحمت نے امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے لئے ارشاد فرمایا "ابنای هذان امامان قاما او قعدا" (میرے بیٹے دونوں فرزند امام ہیں چاہے وہ لڑیں یا خاموش رہیں۔ ہم زمانہ کی رفتار اس کے انقلاب اور مسلمانوں کی گرفتاری پر غور کرکے اس حدیث کا مقصد سمجھ سکتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کے سکوت اور امام حسین علیہ السلام کی جنگ دین کی حفاظت کے لئے دونوں کے نتائج برابر تھے اور دونوں نے اپنے اپنے عمل سے اسلام اور اہل اسلام کو ڈوبنے سے بچایا۔ امام حسن علیہ السلام کی صلح کے متعلق چند جملے لکھکر ہم قارئین کرام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔

معاویہ نے اپنے کئی سالہ عہد حکومت میں اپنے پیروؤں کو اندھا اور بہرا بنا رکھا اور وہ دین کی تربیت اور اسکی پہچان صرف معاویہ کی ذات کو سمجھ رہے تھے۔

---

(۱) پیغمبر اکرمؐ نبی۔ رسول اور اپنی امت کے امام بھی تھے۔ ابتدائے بعثت سے ہجرت کے حکم تک (۱۳) سال کفار قریش کے ہاتھوں شدائد اور ایذائیں برداشت کرتے رہے لیکن آپ نے تلوار سے مقابلہ نہیں کیا۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ تشریف لائے اور کفار قریش نے وہاں بھی مجبور کیا آپ نے تلوار سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی بھر ان سے لڑتے رہے۔ کہا جائیگا کہ قیام مکہ کے زمانہ میں بسبب مسلمانوں کی کمی کے لڑنے کی قوت نہ تھی" لیکن یہ وہی کہہ سکتا ہے جسکی نظر تاریخ پر نہ ہو۔ اسلام کی پہلی لڑائی کفار قریش کے ساتھ بدر کا غزوہ ہے۔ کہاں (۳۱۳) مفلس و نادار مسلمان کہ جن کے پاس سواری کے (۶۰) اونٹ (۲) گھوڑے۔ (۶) زرہیں۔ (۸) تلواریں تھیں۔ باقی مجاہدین کے پاس صرف نیزے یا تیر و کمان اور کہاں قریش کے (۹۵۰) منتخب لڑنے والے۔ ہر ایک کے پاس سواری کے لئے اونٹ یا گھوڑا تھا۔ سب زرہ پوش تھے اور ان میں بھی ایک سو سواروں کے جسم پر دوہری زرہیں تھیں۔ اسلحہ حرب کی یہ کثرت کہ ہر شخص کے پاس کم از کم دو تلواریں تھیں۔ سامان رسد کا یہ حال کہ سپاہ کی خوراک کے لئے ایک روز (۹) اور ایک روز (۱۰) اونٹ ذبح

معاویہ نے طلب خون عثمان کو بہانہ قرار دیکر لوگوں کو دھوکہ دیا جسکی وجہ سے مسلمانوں میں چند گروہ بن گئے
ایک جماعت معاویہ کے احکام و تبلیغ کی پیرو تھی اُس کے دھوکہ میں آکر سمجھ رہی تھی کہ واقعی عثمان مظلوم شہید ہوئے اور معاویہ
اُن کا وارث جائز ہے اور ان کے خون کا مطالبہ صحیح ہے۔ اسلئے نہایت جوش و خروش سے [illegible] کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے
ایک جماعت شک و تردد کی وجہ سے بنظر احتیاط بالکل علحدہ رہی۔ ایک گروہ جو [illegible] واقف تھا
اُس کے دو حصے ہوگئے۔ ایک جماعت کا کوئی مطمح نظر ہی نہ تھا اور نہ ان کا کوئی [illegible] کے تابع رہے
دوسری جماعت حق پر ثابت رہی اور امام حق کا ساتھ دیا۔ لیکن یہ تعداد میں [illegible]۔

علی ابن ابی طالب علیہم السلام کے لئے ایسے لوگ گنتی کے رہ گئے تھے [illegible] ساتھ جنگ کرنا
یقینی شکست تھی اور حق بالکل پامال ہو جاتا اور معاویہ کی غلط تبلیغ کا اثر [illegible] اور نہ معلوم
کب تک دنیا اس غلط فہمی میں مبتلا رہتی اور اس کا اثر اسلام اور اہل اسلام میں باقی رہتا۔ برخلاف اس [illegible] جا سکتی
جب سمجھ ہوتے علیکا اپنا حق حاصل کر لیں گے۔
معاویہ کا مقصد دھوکہ بازی۔ حق کشی اور لوگوں کے خون کو جوش میں لانے سے یہی تھا کہ کسی طرح خلافت پر قبضہ
کرلے۔ جب صلح سے یہ مقصد حاصل ہوگیا تو پھر خون عثمان کا مطالبہ باقی رہا اور نہ مسلمانوں کو جوش دلانے کی ضرورت

کئے جاتے تھے۔ اب دونوں کی قوت کا اندازہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ پیغمبر اکرم محض تعمیل حکم الٰہی خدا ہی پر بھروسہ کرکے
اس جنگ کیلئے کھڑے ہوگئے۔

بالکل یہی صورت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام کے لئے پیش آئی۔ (۲۵) سال خاموش رہے
جب مسلمانوں نے تلوار اٹھائی تو آپ بھی دفاع پر مجبور ہوئے۔ باوجود اس کے کہ آپکو اس کا بہت صدمہ تھا کہ خواہ مخواہ
دو بھائی آپس میں ایکدوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔

اور یہی واقعہ امام حسین علیہ السلام کے لئے پیش آیا۔ آپ نے پہلے ہی ثابت کر دیا کہ آپ کے مقابل غدار ہیں اور آپ کے
بعد یہ جانتے ہوئے کہ ان شرائط پر ہرگز عمل نہیں ہوگا۔ آپنے معاویہ سے صلح کرکے حجت تمام کر دی۔ ان کے نتائج بتلا رہے
ہیں کہ یہ تمام امور مشیت الٰہی کے تابع تھے (چونکہ امام حسین علیہ السلام کے واقعات عام طور پر مشہور ہیں اسلئے اُن کا ذکر
کرنا ضروری نہ سمجھا)۔

لہذا سب کے خون سرد ہو گئے۔ ہوا و ہوس مٹ گئی اور سب کو حق و باطل کا فرق سمجھنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ لوگ سمجھ گئے کہ معاویہ ایک خود غرض شخص ہے اس نے صرف اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے خون عثمان کا بہانہ کیا تھا۔ یہ ہیں امام حسن علیہ السلام کی صلح کے نتائج۔ خصوصاً وہ صلحنامہ جو عمائدین اسلام کی محفل میں لکھا گیا تھا اور بطور گواہی کے سب کی مہریں اس پر ثبت ہوئی تھیں۔ سب جان رہے تھے کہ معاویہ ہرگز ان شرائط پر عمل نہیں کریگا اور جب خلاف ورزی ہوگی تو باطل کی بنیادیں ہل جائیں گی اور بتدریج اسکی جڑیں اکھڑ کر ہی رہیں گی

۱ صفحہ (۱۲۷) حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے متعلق ہے ان دونوں برگزیدہ اماموں کا زمانہ بنو امیہ کے زوال اور بنو عباس کے آغاز حکومت سے شروع ہوا۔ اور مسلمان امویوں کے استبداد اور سختیوں سے کسی قدر آزاد ہو گئے [illegible] اسلام کے خارجی فتوحات بھی انجام پاگئے۔ اب اسلام کی فکری ترقی، مدارس کی تشکیل کتابوں کی ترتیب اور قوانین کی تدوین شروع ہوئی

امام امت کے [illegible] اعمال کی بے اعتدالیوں کا نگران اور ان کو بھٹکنے سے روکتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی ہر قدیم و جدید ضرورتوں کے لئے اپنی قوت اور ہمت صرف کرکے ان کو گوناگوں خطرات سے بچاتا ہے

اسلام کو ملک گیری سے فراغت حاصل ہو چکی تھی اور اب ملک داری کے لئے ایسے قانون کی ضرورت تھی کہ جس کے ذریعہ سے ہر فرد اور ہر جماعت کے انفرادی اور اجتماعی حقوق محفوظ رہیں۔ اس وقت کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف غیر معمولی فتوحات کی بدولت اسلامی خزانے مالامال تھے اور یہی انسان کی بداخلاقیوں اور خواہش نفسانی و شہوانی کا سرچشمہ ہے کیونکہ دولت ہی انسان کے خواہشوں کے ابھارنے میں مدد و معاون ہوتی ہے۔ دوسری جانب مقبوضات اسلامیہ کی وسعت نے مسلمانوں کو تمام مذاہب و ملل سے مرتبط کر دیا تھا۔ یہ ارتباط روم و ایران جیسے دشمنان اسلام کی مسلح افواج سے کہیں زیادہ خطرناک تھا۔ کیونکہ اس کا اثر راست مسلمانوں کے مذہب اور قرآن کی تعلیم پر ہو رہا تھا۔

ہم اس صورتحال کو ایک مثال سے واضح کریں گے۔ جب کوئی سنگین یا ثقیل غذا انسان کے معدہ میں پہنچ جائے تو اس کے ہضم کے لئے بڑی دقت پڑتی ہے۔ ایک طرف ان قویٰ کو مدد دینے کی ضرورت پڑتی ہے جو ہضم کے مدد و معاون ہیں۔ اور ساتھ ہی امعا بھی صاف رکھنا چاہیئے کہ کہیں رکاوٹ نہ ہو اور یہ تدبیر بغیر حرارت کی مدد کے ممکن نہیں ہے مشکل یہ ہے کہ جب ہر [illegible] معدہ اور جگر کی طرف منتقل کر دی جائے تو جسم کے تمام بالائی حصہ کو برودت گھیر لیتی ہے ۔

اور انسان بیرونی امراض کے حملوں کا شکار ہو جاتا ہے

اس عہد کے فلسفی افکار اور پرانے عقائد مثل ثقیل غذا کے ایک جگہ جمع ہو گئے تھے جن سے خطرناک رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں۔ لہذا ضروری تھا کہ اندرونی قویٰ کو زیادہ سے زیادہ حرارت فکری کے ذریعہ اس قابل بنایا جائے کہ وہ ہضم کر سکیں۔ لیکن دوسری جانب مسلمانوں میں ملک گیری کی ہوس بطور وراثت اُن کے خون میں داخل ہو گئی تھی وہ ہمیشہ مارپیٹ اور جنگ کیلئے آمادہ تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خواہش نفسانی ان کے اخلاق کو قعر مذلت کی جانب لے جا رہی تھی۔ اس وقت ضرورت تھی کہ نہایت دقت نظر کے ساتھ ایسے وسیع قوانین مدون ہوں جو تمام ضروریات مالی۔ ملکی۔ اخلاقی۔ اور مدنی پر حاوی ہوں۔ یہاں تک کہ اسلام کے سادہ اصول کے تمام جزئیات بھی اسمیں شامل کر لئے جائیں تاکہ اسلام کی معنوی حقیقت اور اُسکی صداقت کا اثر سب کے دلوں پر نقش ہو جائے۔ یہاں تک کہ خاندان قریش۔ بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومت اور خلافت کے ساز و سامان اُن کی شان و شوکت اور دولت و ثروت کا اثر بھی مسلمانوں کے دلوں سے زائل ہو جائے۔ کیونکہ یہ اثر بوڑھوں اور جوانوں کے قویٰ کو بیکار اور نوجوانوں کو مفلوج بنا دیا تھا۔

اسلام کے ایسے سخت اور نازک دور میں دو برگزیدہ اماموں کی ہستی اور بلند اخلاق کی برجستہ شخصیت گویا نبوت کے دو معنوی ذخیرے تھے۔ دنیا کی راحت و آرام اور اپنے قیمتی وقت کا ایثار کر کے چند مخصوصین کے ہمراہ ان اصلاحی امور کی تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ اور چار سو اصل۔ مدنی۔ اخلاقی۔ اور فقہی (اصول اربعہ مائۃ) امت اسلامیہ کے لئے چھوڑ گئے باوجود دنیا اس قدر آگے بڑھ جانے کے آج جو قوانین ہمارے مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں وہ انہی اُصول کا اقتباس ہے، جو مثل تاج کے ایران کے سر پر رکھا ہوا ہے لیکن حاسدوں کی بے بصیرت آنکھ کا کیا علاج کہ وہ نہیں دیکھتی۔

۹۴) صفحہ (۱۳۷) سطر (۲۳) امام زمانہ کا وجود فریقین میں بالاتفاق ثابت ہے۔ اس لئے اس کتاب میں اُسکی صراحت کی ضرورت نہیں اور نہ یہ مسئلہ ہمارے دلائل کا محتاج ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ مہدویت کے موضوع پر ایک جداگانہ رسالہ لکھا جائے۔ ہم یہاں قارئین کو کتاب "رد المھدی" کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدویت مسلمانان اسلام کی جڑ ہے۔ اور اہل سنت کا اس مسئلہ کو اپنے لئے دستاویز قرار دینا بھی اسی کو ظاہر کر رہا ہے فقط

والسلام علی من اتبع الہدی

۱۷ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ

May 1945

سید محمود طالقانی